انتساب

اپنی اس کاوش کو اپنے ان اساتذہ کے نام سے منسوب کرتا ہوں جن سے میں نے علم رجال کے علاوہ بہت کچھ سیکھا، ان بزرگوار میں سے وہ بزرگان جن سے میں نے علم رجال کا استفادہ کیا:

حضرت آیت اللہ العظمیٰ شیخ جواد تبریزی قدس سرّہ

حضرت آیت اللہ شیخ جعفر سبحانی مدظلہ العالی

حضرت آیت اللہ سید موسیٰ شبیری زنجانی مدظلہ العالی ہیں

امید ہے خداوند تعالیٰ اپنی بارگاہ میں اس کاوش کو منظور فرمائے گا۔

Presented by Ziaraat.Com

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر
علم الرجال	۱۷
تعریف علم الرجال	۱۷
موضوع علم رجال	۱۷
مسائل علم رجال	۱۷
علم التراجم وعلم الرجال میں فرق	۱۸
علم الرجال وعلم الدرایۃ میں فرق	۱۸
الحاجة إلى علم الرجال	۱۹
توضیح	۱۹
احادیث میں کذب	۱۹
علم رجال کی بنیادی واساسی کتابیں	۲۲
الاصول الرجالية الثمانية	۲۲
۱۔رجال البرقی	۲۵
(۲)اختیار الرجال	۲۸
(۳)کتاب الرجال لابن الغضائری (۴۱۱ھ)	۲۸
کتاب	۲۹
کیا کتاب قابل اعتماد ہے تضعیفات میں؟	۳۰
(۴)رجال النجاشی	۳۰

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
القسم الثانی	۳۲
۵۔ رجال الشیخ الطوسی	۳۷
۶۔ فہرس الشیخ	۳۸
۷۔ رسالہ ابی غالب رازی	۳۹
۸۔ مشیخۃ الصدوق	۴۰
۹۔ مشیخۃ الشیخ الطوسی در تہذیب واستبصار	۴۰
اصول اربعہ رجالیہ متاخرہ	۴۰
۱. فهرس شيخ منتجب الدين :	۴۰
۲. معالم العلماء في فهرس كتب الشيعة و اسماء المصنّفين	۴۱
۳. رجال ابن داؤد	۴۱
٤. خلاصة الاقوال في علم الرجال	۴۲
مہمل ومجہول میں فرق	۴۲
کتب رجالیہ در عصور متاخرہ	۴۳
۱. مجمع الرجال :	۴۳
۲. منهج المقال :	۴۳
۳. جامع الرواة :	۴۳
٤. نقد الرجال	۴۴
۵. منتهى المقال في احوال الرجال	۴۴

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
قاموس الرجال	۴۶
۷۔ مرتب الاسانید	۴۵
۸۔ معجم رجال الحدیث	۴۵
توثیقات خاصہ	۴۵
کیا اصالة العدالة ثابت ہے؟	۴۶
اصالة الوثاقة	۴۷
مراتب توثیق	۴۷
مراتب تضعیف	۴۸
فائدہ ۱:	۵۰
فائدہ ۲:	۵۰
فائدہ ۳:	۵۲
فائدہ ۴:	۵۳
فائدہ ۵:	۵۴
قیمة التوثیقات	۵۵
توثیق مشائخ اجازہ	۵۷
التوثیقات العامة	۶۰
۱۔ اصحاب الاجماع	۶۱
۱۔ ما هو الاصل فی ذلك :	۶۱
۲۔ اما عدد اصحاب الاجماع	۶۳

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
۳۔اس اجماع کے بارے اصحاب کی نظر	۶۴
۴۔ مذکورہ بالا اجماع کی حجیت کی وجہ	۶۶
اشکالِ اوّل کا جواب	۶۷
اشکالِ دوم کا جواب	۶۸
۵۔تصحیح ما یصح عنهم کا مفہوم	۶۸
معنی اول:	۶۹
معنی ثانی:	۷۱
۲۔مشائخ الثقات	۷۳
ان تین افراد کی شناخت	۷۴
ا۔ ابن ابی عمیر (۲/۲۱۷ھ)	۷۴
۲۔ نجیّہ بن اسحاق فزازی:	۸۰
۳۔ معاویہ بن حفص	۸۰
۴۔عبدالرحمٰن بن ابی نجران	۸۱
۵۔المعلّی بن خُنیس	۸۲
الخامس	۸۲
السادس	۸۶
السابع	۸۷
ا۔علی بن ابی حمزة البطائنی	۹۰
ب۔ یونس بن ظبیان	۹۹

Presented by Ziaraat.Com

	عنوان	صفحہ نمبر
✿	ج۔علی بن حدید	۱۰۱
✿	د۔حسین بن احمد المنقری	۱۰۳
✿	دو اور موارد	۱۰۴
✿	۲۔ صفوان بن یحییٰ (متوفی ۲۱۰ھ)	۱۰۵
✿	مشائخه:	۱۰۶
✿	۳۔احمد بن محمد بن عمرو بن ابی نصر البزنطی (متوفی ۲۲۱ھ)	۱۰۹
✿	العصابة المشهورة بانّهم لا يروون إلّا عن الثقات	۱۱۳
✿	۱۔ احمد بن محمد بن عیسٰی القمی	۱۱۳
✿	۲۔بنو فضال کلّهم	۱۱۴
✿	۳۔جعفر بن بشیر البجلی	۱۱۵
✿	۴۔محمد بن اسماعیل بن میمون الزعفرانی	۱۱۵
✿	۵۔علی بن الحسن الطاطری الکوفی	۱۱۵
✿	۶۔احمد بن علی النجاشی	۱۱۶
✿	مشائخ صاحب نوادر الحکمة	۱۱۷
✿	مشائخ صاحب کامل الزیارات	۱۲۰
✿	ما ورد فی اسناد تفسیر القمی	۱۲۴
✿	ترجمة القمی	۱۲۵
✿	اصحاب الصادق علیه السلام	۱۲۶
✿	۸۔شیخوخة الاجازة	۱۲۸

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
توضیح المسئلة	۱۳۰
الوکالة عن الامام	۱۳۳
کثرة تخریج الثقة عن شخص	۱۳۴
کتب اربعہ کے بارے بحث	۱۳۵
(۱)الکتاب	۱۳۵
(۲)الاصل	۱۳۶
(۳)مصنّف	۱۳۹
(۴)النوادر	۱۳۹
اهمیة الاصول	۱۴۱
اصول اربعمأة	۱۴۲
اصول کیوں ضائع ہوگئے؟	۱۴۴
وثاقت اصحاب الاصول	۱۴۴
جوامع الحدیث	۱۴۵
کتب اربعہ	۱۴۶
امّا الکتاب	۱۴۷
اسلوب التالیف	۱۴۸
قطعیۃ وصحت روایات کافی	۱۴۹
کافی کی خصوصیات	۱۵۲
۱۔جمع الاسانید	۱۵۲

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
التثبّت فی الاسناد:	۱۵۳
السقط التعلیق	۱۵۳
تعلیق کی ایک اور مثال	۱۵۴
عدّة الکلینی	۱۵۵
(۱)العدة الاولٰی عدة الاشعری	۱۵۵
العدّة الثانیه عدة البرقی	۱۵۶
العدة الثالثة عدّة الآدمی	۱۵۸
تمییز المشترکات	۱۶۰
ومن المشترکات محمد بن اسماعیل	۱۶۲
نقد الکافی	۱۶۳
من لا یحضره الفقیه	۱۶۴
قطعیة الصدور	۱۶۶
امّا حجیت مراسیل صدوق	۱۶۸
تنبیه	۱۶۹
نقد الفقیه	۱۷۰
تهذیب الاحکام	۱۷۱
امّا الکتاب یعنی تهذیب الاحکام	۱۷۲
منهج التالیف	۱۷۳
دونوں منہاج کی مثال	۱۷۳

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
تصحیح اسانید شیخ	۱۷۴
الاستبصار فیما اختلف فیه من الاخبار	۱۷۸
صحة احادیث مذکورہ فی الکتابین	۱۷۹
تیسرا طریقہ	۱۸۱
چوتھا طریقہ مرزا محمد بن استرآبادی کا ہے	۱۸۲
پانچواں طریقہ آقای خوئی قدس سرہ کا طریقہ ہے	۱۸۳
تطبیق عملی	۱۸۴
فوائد رجالیه	۱۸۶
فائدہ ۱	۱۸۶
فائدہ ۲	۱۸۹
فائدہ ۳	۱۹۰
فائدہ ۴	۱۹۰
امنا مرادی واسدی میں تمیز	۱۹۳
فائدہ ۵	۱۹۴
فائدہ ۶	۱۹۸
(۱) مستطرفات السرائر	۱۹۸
(۲) نوادر الحکمة محمد بن احمد بن یحییٰ	۱۹۸
(۳) دعائم الاسلام للقاضی ابی حنیفه نعمان بن ابی عبدالله محمد بن منصور التمیمی المغربی	۲۰۰

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
(۴) تفسیر قمی لعلیّ بن ابراهیم القمّی	۲۰۱
تفسیر ابی الجارود	۲۰۲
(۵) کامل الزیارات لابی القاسم جعفر بن محمد بن جعفر بن موسیٰ بن قولویه	۲۰۳
خاتمہ	۲۰۴
اقسام الحدیث	۲۰۵
۱۔المتواتر	۲۰۵
۲۔الآحاد	۲۰۶
۳۔الصحیح	۲۰۶
۴۔الحسن	۲۰۶
۵۔الموثق	۲۰۶
۶۔الضعیف	۲۰۶
۷۔المسند	۲۰۷
۸۔المتصل	۲۰۷
۹۔المرفوع	۲۰۷
۱۰۔المعلّق	۲۰۷
۱۱۔المدرّج	۲۰۷
۱۲۔الغریب	۲۰۸
۱۳۔الشاذ	۲۰۸

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
۱۴۔الغریب	۲۰۸
۱۵۔المقبول	۲۰۸
۱۶۔الموقوف	۲۰۸
۱۷۔المقطوع	۲۰۹
۱۸۔المرسل	۲۰۹
۱۹۔المضمر	۲۰۹
طرق تحمّل حدیث	۲۰۹
۱۔السماع	۲۰۹
۲۔القرأۃ	۲۱۰
۳۔الاجازۃ	۲۱۰
۴۔المناولۃ	۲۱۰
۵۔الکتابۃ	۲۱۱
۶۔الاعلام	۲۱۲
۷۔الوجادۃ	۲۱۲

Presented by Ziaraat.Com

پیش لفظ

فقہی مسائل کے استنباط کے لئے فقیہ کو بہت سے علوم میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سے اہم ترین مسئلہ روایات سے حکم شرعی کا استنباط ہے، قرآن کریم قطعی السند ہونے کے ناطے مورد یقین ہے کہ اس میں حکم بھی ہے وہ خداوند کا فرمان ہے، کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، لیکن احادیث میں یہ قطع و یقین موجود نہیں ہے، اس لئے کہ مجموعہ روایات میں بڑی تعداد روایات موضوع ہیں اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں نے حدیثیں وضع کیں اور انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی طرف منسوب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا، ہمارے پاس متواتر روایات بڑی تعداد میں نہیں ہیں، بلکہ زیادہ تر روایات خبر واحد کی صورت میں ہیں یعنی اس کی سند میں رواۃ کی کثرت نہیں ہے لہٰذا ان کے بارے یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ معصوم نے فرمائی ہے جبکہ حکم شرعی پر دلیل کا قطعی ہونا شرط ہے۔ یہاں سے ''علم رجال'' کی ضرورت واہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ ایک علم ہونا چاہئے جو ہمیں راویوں کے بارے آگاہی دے اور اس کے ذریعے ایسے قواعد وضوابط حاصل ہوسکیں جن کی بناء پر راوی کی روایت پر اعتماد کرنے یا نہ کرنے کا حکم لگایا جا سکے، روایات میں جعلی روایات پیش کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿قد کثرت علیّ الکذّابة فمن کذب علیّ متعمّدًا فلیتبوّ مقعده من النار﴾

Presented by Ziaraat.Com

''مجھ پر جھوٹ بولنے والے زیادہ ہو چکے ہیں جو جان بوجھ کر ایسا کرے اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا ہے۔''

(اصول کافی، ج ۱، ص ۶۲ باب اختلاف الحدیث)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

﴿انّا اهل بيت صدّيقون لا نخلو من كذّاب يكذب علينا و يسقط صدقنا بكذبه علينا عند الناس﴾

''ہم اہل بیتؑ سچے ہیں، ہم پر جھوٹ باندھنے والے کذاب ایسے ہیں جو لوگوں میں ہماری حیثیت کم کرنے کے لئے ہم پر جھوٹ باندھتے ہیں۔'' (رجال کشی، ج ۱، ص ۳۲۴)

نیز آپ نے مغیرہ بن سعید کے حوالے سے مفصل بیان فرمایا کہ کس طرح وہ میرے بابا کی احادیث میں جھوٹی احادیث شامل کرتا تھا۔ (رجال کشی، ج ۲، ص ۴۰۳)

اس کے علاوہ اور اسباب بھی تھے جیسے تقیہ، آراء و نظریات کا اختلاف، یا راوی کا اشتباہ وغیرہ جن کی وجہ سے حدیث کی سند میں بہت زیادہ توجہ اور دقت نظر کی ضرورت پیدا ہوتی ہے یہاں سے اس علم کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی، لہٰذا علم رجال کی بحث درحقیقت احادیث کی اہمیت اور اس سے دفاع کے لحاظ سے بہت زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔

والسلام

سید علی محمد نقوی

مدرسۃ الولایۃ اسلام آباد

20-5-2013

Presented by Ziaraat.Com



Presented by Ziaraat.Com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

علم الرجال

تعریف علم الرجال

۱) علم الرجال علم یبحث فیه عن احوال الرواة من حیث اتصافهم بشرائط قبول روایاتهم و عدمه .

۲) او هو علم یبحث فیه عن احوال رواة الحدیث التی لها دخل فی قبول قولهم و عدمه.

اصل مقصد رواۃ کے عدول و غیر عدول، ثقہ و غیر ثقہ، ممدوح و غیر ممدوح، مہمل و مجہول ہونے کا کشف ہے اور ان کے مشائخ و تلامیذ و طبقات وغیرہ کا کشف ہے۔

موضوع علم رجال

موضوع علمِ رجال وہ رواۃِ حدیث ہیں جو روایات کی اسناد میں واقع ہیں اور موضوع کو عارض ہونے والے ایسے حالات جو روایت کی قبولیت یا رد میں دخالت رکھتے ہوں۔ لیکن دوسرے احوال جیسے شاعر و تاجر وغیرہ ہونا یہ اس علم سے خارج ہیں۔

مسائل علم رجال

اس علم میں بحث احوالِ رواۃ سے ہوتی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

س: پس یہ جزئیات ہیں جبکہ مسائل علم کلی ہوتے ہیں؟

ج: اوّلاً: راوی کے حالات جان کر اس کے بارے کلی حکم لگایا جائے گا مثلاً زرارۃ کے حالات سے یہ حکم لگائیں کہ زرارۃ جو روایات بیان کریں گے وہ ان کے لحاظ سے حجت ہوں گی۔ پس بحث یہ ہوگی کہ کلّ ما یرویہ زرارۃ حجۃ ام لا و ھکذا....

ثانیاً: اصل جواب یہی ہے کہ یہ کس نے کہا کہ علم کے مسائل کا کلی ہونا لازمی شرط ہے۔ علوم کے مسائل جزئی بھی ہو سکتے ہیں جیسے جغرافیہ و ہیئت کے مسائل ہیں۔ علم میں اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ ہدف و غرض کے طریق میں واقع ہو سکے کلی ہو یا جزئی۔

علم التراجم و علم الرجال میں فرق

علم التراجم احوالِ شخصیات و علماء سے بحث کرتا ہے چاہے وہ رواۃ ہوں یا نہ ہوں جبکہ علم الرجال احوالِ رواۃ سے بحث کرتا ہے۔ ہاں! اگر راوی عالم ہو تو علم التراجم و الرجال دونوں جمع ہو جائیں گے لیکن حیثیتِ بحث الگ الگ ہوگی۔ سند روایت میں واقع ہونے اور اس کی روایت کی قبولیت و ردّ میں دخیل احوال سے بحث علمِ رجال میں ہوگی اور ان کے علم و شخصیت سے بحث دوسری حیثیت ہے۔

علم الرجال و علم الدرایۃ میں فرق

یہ دونوں علم حدیث ہی کے بارے بحث کرتے ہیں۔ پہلا سندِ حدیث کے بارے اور دوسرا متنِ حدیث کے بارے، یعنی پہلے میں موضوع محدّث ہے اور غرض اس کی وثاقت و ضعف اور مقدارِ ضبط کو جاننا ہے اور موضوعِ دوم حدیث ہے اور غرض اس کی اقسام و عوارض کو جاننا ہے۔ مشائخ ثقات اور ان کی وثاقت وغیرہ سے بحث علم الدرایۃ میں ذکر کرتے ہیں لیکن یہ درحقیقت علم الرجال کے مسائل ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

الحاجة إلى علم الرجال

اس مورد میں درج ذیل امور مدنظر ہیں:

۱۔ حجیت خبر ثقہ

۲۔ روایات میں صفات راوی کی طرف رجوع کا حکم ہے

۳۔ اسنادِ روایات میں وضاعین و مدلسین کی موجودگی

خبر ثقہ و خبر عدل کی تشخیص علم الرجال سے ہوگی۔ خبر موثوق الصدور اگر حجت ہو تب بھی اس علم کی ضرورت ہوگی۔ یہ قرائن اسی سے مستفاد ہوں گے۔

توضیح

کسی حدیث سے استدلال تین امور پر موقوف ہے:

۱. اصالة الظهور: یعنی حدیث "مرویٌ ظاهرٌ في المراد" ہو، یہ مباحث علم اصول فقہ میں سے ہے۔

۲. اصالة حجية الظهور: یعنی حدیث بغیر کسی مانع کے حالت تشریع میں وارد ہو، جیسے تقیہ، اسے علم فقہ مقارن بیان کرتا ہے۔

۳. اصالة الصدور: حدیث معصوم علیہ السلام سے صادر ہو نہ کہ موضوع و منسوب ہو، یہ معرفت احوال رواۃ پر موقوف ہے جسے علم الرجال بیان کرتا ہے۔

احادیث میں کذب

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ صَادِقُونَ لَا نَخْلُو مِنْ كَذَّابٍ يَكْذِبُ عَلَيْنَا وَ يُسْقِطُ صِدْقَنَا بِكَذِبِهِ عَلَيْنَا عِنْدَ النَّاسِ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص)

Presented by Ziaraat.Com

اَصْدَقَ الْبَرِيَّةِ لَهْجَةً وَ كَانَ مُسَيْلَمَةُ يَكْذِبُ عَلَيْهِ وَ كَانَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عليه السلام اَصْدَقَ مَنْ بَرَءَ اللّٰهُ مِن بَعْدِ رَسُوْلِ اللّٰه (ص) وَ كَانَ الَّذِي يَكْذِبُ عَلَيْهِ وَ يَعْمَلُ فِي تَكْذِيْبِ صِدْقِهِ بِمَا يَفْتَرِي عَلَيْهِ مِنَ الْكَذِبِ عَبْد اللّٰهِ بْنِ سَبَاءٍ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَ كَانَ اَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عليه السلام قَدِ ابْتُلِيَ بِالْمُخْتَارِ ثُمَّ ذَكَرَ اَبُو عَبْدِ اللّٰهِ عليه السلام الْحَارِثَ الشَّامِيَّ وَ بيان فَقَالَ كَانَا يَكْذِبَانِ عَلَى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عليه السلام ثُمَّ ذَكَرَ الْمُغِيْرَةَ بْنَ سَعِيْدٍ وَ بَزِيْعًا وَ السَّرِيَّ وَ اَبَا الْخَطَّابِ وَ مَعْمَرًا وَ بَشَّارًا الْاَشْعَرِيَّ وَ حَمْزَةَ الْبَرْبَرِيَّ وَ صَائِدَ النَّهْدِيَّ فَقَالَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ.

ترجمہ: ہم اہل بیت سچے ہیں لیکن ہم پر جھوٹ بولنے والوں کی کمی نہیں رہی جو اپنے جھوٹ کے ذریعے ہماری سچائی کو لوگوں کی نظروں میں گراتے رہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صادق ترین فرد تھے لیکن مسلمہ کذاب ان پر جھوٹ باندھتا تھا، اسی طرح ہر امام ایسے افراد سے مبتلا رہا۔۔۔

(رجال الکشی، ص ۳۰۵، ما روی فی محمد بن ابی زینب)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس علم کی حاجت کس قدر زیادہ ہے۔ بعض قائل ہیں کہ علم الرجال کی ضرورت نہیں ہے یا تو اس لئے کہ حجیت روایت کا معیار عمل مشہور ہے۔ اگر مشہور کسی روایت پر نہ کریں تو وہ حجت نہیں ہے اس کے راوی ثقہ ہوں یا نہ ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سے مسائل میں مسلک مشہور معلوم نہیں ہوسکتا اور بہت سے مسائل میں شہرت متحقق نہیں ہوئی و ہکذا۔۔۔ اخباری تمام ان احادیث کو

Presented by Ziaraat.Com

قطعی الصدور مانتے ہیں جو کتب اربعہ میں ہیں۔ آقائے خوئی نے معجم رجال الحدیث میں ان وجوہ کو ذکر کیا ہے جو انہوں نے بیان کیں اور ان کا جواب دیا ہے۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ عدالت راوی ثابت کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے چونکہ اصحاب کتب رجالیہ نے بھی دوسری کتب سے ان کی عدالت کو لیا ہے۔ لہٰذا ان کی شہادت حسی تو نہیں ہے۔

علامہ مامقانی نے کہا: تزکیہ راوی شہادت نہیں ہے کہ اس میں شرائطِ شہادت معتبر ہوں بلکہ مقصد تثبت وظن اطمینانی کی تحصیل ہے۔ تاکہ قرائن وشواہد تحصیل ہوسکیں کہ صدقِ راوی وصدور روایت پر علم الرجال کی توثیقات کس طرح سے ہیں۔

(۱) وحید بہبہانی سے تعلیقہ میں (المنهج المقال) ظاہر ہے کہ از باب اجتہاد ہے فرمایا: **و الظاهر انه من اجتهاد هم او من باب الرواية كما هو المشهور.**

(۲) **إنه من باب الشهادة**، انہوں نے اختلاف کیا کہ آیا ایک شاہد کی توثیق کافی ہے یا کم از کم دو نفر توثیق کریں۔ مشہور قول اول ہے جیسا کہ شیخ طوسی وعلامہ قائل ہیں۔

لیکن یہ نظریہ درست نہیں چونکہ توثیقات اخبار ہیں احوالِ رواۃ سے لہٰذا اس میں خبر واحد کافی ہے۔

صاحب منتقی المقال نے کہا: **الاقوى عندي عدم الإكتفاء في تزكية الراوي شهادة العدل الواحد**، یعنی ایک عادل گواہ کی طرف سے توثیق کافی نہیں ہے بلکہ دو عادل ضروری ہیں (ج ۱، ص ۱۶)۔ لیکن اس کا جواب روشن ہے کہ شہادۃ عدلین وخبر واحد دونوں حجت ہیں اور شرعاً قائم مقامِ علم ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

(۳) از باب اخبار ہیں اور ان کی حجیت کی دلیل وہی ادلہ ہیں جو خبر واحد کی حجیت پر قائم ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں چونکہ اس میں حتمی ہونا شرط ہے۔ جو ان میں متحقق نہیں۔ توثیقات و تضعیفات رجالیہ جو شیخ طوسی و نجاشی تک پہنچیں حتمی نہیں تھیں بلکہ غالبا روایات صحیحہ کے ذریعے پہنچیں۔ نیز یہ بزرگان محدثین و علماء سے مرتبط تھے لہٰذا رواۃ کے بارے اخبار انہیں ان کے مشائخ کے ذریعے پہنچیں نیز قرائن بھی ہمراہ تھے۔

ہاں ابن الغضائری توثیق و تضعیف میں اپنے اظہار سے کام لیتے تھے اسی وجہ سے متہم ہو گئے۔ لیکن متقدمین جنہوں نے توثیقات و تضعیفات ذکر کیں:

اولاً:۔ انہوں نے ان کتب کی طرف رجوع کیا جو ان کے پاس تھیں اور ان کتب کی نسبت مصنفین کی طرف ثابت تھی۔

ثانیاً:۔ سماع عن ثقة، یعنی انہوں نے ثقہ افراد سے خود سنا۔

ثالثاً:۔ اعتماد على استفاضة بين الاصحاب، یعنی اصحاب کے درمیان معروف و مشہور تھا۔

علم رجال کی بنیادی و اساسی کتابیں

الاصول الرجالية الثمانية

١. رجال ابن الغضائری	٢. رجال الكشي
٣. فهرس النجاشي	٤. رجال الشيخ و فهرسه
٥. رجال البرقي	٦. رسالة ابي غالب الرازي
٧. مشيخة الصدوق	٨. مشيخة الطوسي

اصول کتب رجالی چار ہیں:

۱۔ رجال کشی	۲۔ رجال نجاشی

Presented by Ziaraat.Com

۳۔ رجال شیخ طوسی ۴۔ فہرست شیخ طوسی

بعض اصول کتب رجالی پانچ شمار کرتے ہوئے انہوں نے رسالہ ابی رازی کا اضافہ کیا ہے۔ البتہ ان اصولوں سے پہلے بھی کتب لکھی گئی ہیں جیسے:

۱۔ شیخ صدوق، ابو جعفر محمد بن علي (۳۸۱ھ)، نجاشی نے ان کی المصابیح کا تذکرہ کیا ہے جو کہ اسماء رواة عن النبي و الآئمة علیہم السلام پر مشتمل ہے۔ مشیخہ شیخ صدوق جو آپ نے اپنے مشائخ کے ذکر کے بارے لکھی ہے۔ ۲۰۰ شیخ سے زائد پر مشتمل ہے اور من لا یحضرہ الفقیہ کے آخر میں چھپی ہے۔

۲۔ الشیخ ابو عبد اللّٰہ احمد بن عبد الواحد البزار معروف به ابن عُبدون (م۴۲۳)۔ یہ مشائخ شیخ طوسی و نجاشی میں سے تھے۔ ان کی کتاب الفہرس تھی جس کی طرف اشارہ شیخ طوسی نے الفہرس میں ترجمہ ابراهیم بن محمد بن سعید الثقفی میں کیا۔

۳۔ الشیخ ابو العباس احمد بن محمد بن سعید المعروف ابن عُقدة (م۳۲۹ھ۔ ت۳۳۳ھ)۔ ان کی کتاب الرجال ہے۔ اس میں ممن روی عن الإمام جعفر الصادق علیہ السلام کے اسماء ہیں۔ دوسری کتاب میں بقیہ رواة کا ذکر ہے جنہوں نے امام صادق علیہ السلام سے سابق آئمہ علیہم السلام سے روایت کی۔

۴۔ احمد بن علي العلوی العقیقي (م۲۸۰ھ) له کتاب تاریخ الرجال۔

۵۔ احمد بن محمد الجوهري (۴۰۱م) له کتاب الاشتمال في معرفة الرجال۔

۶۔ الشیخ ابو العباس احمد بن محمد بن نوح، له رجال الذین

Presented by Ziaraat.Com

رووا عن ابي عبد الله ﷺ

۷۔ احمد بن محمد القمي (م۳۵۰ھ) له كتاب الطبقات.

۸۔ احمد بن محمد الكوفي ،نجاشی نے ان کی کتاب الممدوحین و المذمومین ذکر کی گئی ہے۔

۹۔ حسن بن محبوب السرّاد یا زارد (م۱۴۹ اوت۲۲۴ھ) روی عن ستین رجلا من اصحاب الصادق ﷺ و له كتاب المشيخة و معرفة رواة الاخبار۔

۱۰۔ فضل بن شاذان (م بعد۲۵۴ وقبل۲۶۰)، اصحاب امام رضا وامام ہادی علیہما السلام میں سے تھے۔ ان کے رجال کی طرف اشارہ علامہ نے محمد بن سنان کے حالات میں کیا ہے۔ (الخلاصة)

اصولِ رجالِ تاریخی تسلسل کے ساتھ اس ترتیب پر ہیں:

۱. الرجال لابی جعفر احمد بن ابی عبد الله البرقی (۲۷٤هج)

۲. رجال الكشي : اختيار معرفة الناقلين لابی عمرو الكشي (۳۲۹ هج)

۳. رجال ابن الغضائري لابی الحسين الغضائری (رمز غض، ٤١١ه)

٤. رجال النجاشي : فهرست مصنفات الشيعة لابی العباس النجاشی (رمز جش) ٤٥٠ هج

٥. رجال الطوسي : الابواب لابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی (رمزجح، ٤٦٠ هج)

Presented by Ziaraat.Com

۶. الفهرست لابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی (رمز ست)

ا۔ رجال البرقی

احمد بن ابی عبداللہ البرقی (۲۸۰ھ)، نجاشی نے کہا:

ابو جعفر اصله كوفي و كان جده محمد بن علي حبسه يوسف بن عمر بعد قتل زيد ثم قتله و كان خالد صغير السنّ فهرب مع ابيه عبد الرحمن إلى برق (قم) و كان ثقة في نفسه، يروى عن الضعفاء و يعتمد المراسيل و صنّف كتبا منها المحاسن و توفى احمد بن ابى عبد الله البرقى فى سنة اربع و سبعين و مائتين. (رجال النجاشی)

ابوجعفر کوفی الاصل تھے۔ آپ کے دادا محمد بن علی کو یوسف بن عمر نے زید شہید کے قتل کے بعد قید کر لیا۔ پھر قتل کر دیا۔ آپ اپنے باپ کے ساتھ قم کی بستی ''برق'' کی طرف چلے آئے۔ آپ خود ثقہ تھے لیکن ضعفاء سے روایت کرتے اور مراسیل پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ نے کئی کتابیں لکھی۔ ان میں سے ایک محاسن ہے۔ آپ کی وفات ۲۷۴ھ میں ہوئی۔

آقائے خوئی نے ان کی کتاب کو اصول خمسہ رجالیہ میں سے شمار کیا ہے۔

(معجم رجال الحدیث، جلد ۱، صفحہ ۱۱۳)

رجال البرقی کے بارے اختلاف ہے کہ آیا ان کی کتاب ہے یا باپ یعنی عبداللہ بن احمد البرقی کی جو کہ شیخ تھے کلینی کے یا احمد بن عبداللہ البرقی کی جو کہ شیخ صدوق کے شیخ تھے۔ محقق تستری نے قاموس الرجال میں اس آخری وجہ کا استظہار کیا

Presented by Ziaraat.Com

ہے، وہ فرماتے ہیں:

لابی عبد اللّٰہ البرقي و قال بعضهم إنه لابیه محمد بن خالد البرقی و کلاهما و هم و کیف یمکن ان یکون لهما و قد استند فی کثیر من رجاله إلی کتاب سعد بن عبداللّٰه بن جعفر الحمیري و صرّح بسماعه منه فیکون شیخه مع ان عبد اللّٰه کسعد تلمیذ احمد الابن و عنون احمد بن ابی عبد اللّٰه فیه و لم یذکر انه مصنف الکتاب کما هو القاعدة فیمن یذکر نفسه فی کتابه کما فعل الشیخ و النجاشی فی فهرستیها و العلامة و ابی داؤد فی کتابیهما و عنون محمدا البرقی و لم یشر انه ابوه و الذی یعلم من ملاحظة الطبقة انه لعبد اللّٰه بن احمد البرقی الذی یروی عنه الکلینی او احمد بن عبد اللّٰه البرقی الذی یروی عنه الصدوق و الثانی اقرب.

(قاموس الرجال، ج ۶، ص ۳۱)

بعض نے کہا ہے یہ احمد بن ابی عبداللہ کی کتاب ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ ان کے باپ محمد بن خالد البرقی کی کتاب ہے۔ یہ دونوں قول غلط ہیں۔ یہ ان دونوں کی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اس کتاب میں ''کتاب سعد بن عبداللہ حمیری'' سے بہت نقل کیا گیا ہے اور ان سے سماع کی تصریح کی ہے۔

گویا وہ مصنف کے شیخ تھے جبکہ عبداللہ اور سعد بن عبداللہ حمیری دونوں احمد یعنی بیٹے کے شاگرد تھے۔ دوسرا یہ کہ مصنف نے اس کتاب میں احمد بن

Presented by Ziaraat.Com

عبداللہ کا ذکر کیا ہے اور یہ نہیں لکھا کہ یہی اس کتاب کے مصنف ہیں۔ جبکہ مصنفین کا طریقہ یہی ہے کہ اگر وہ اپنی کتاب میں اپنا تذکرہ کریں تو لکھتے ہیں کہ وہ مصنف ہیں۔ نیز آپ نے محمد البرقی کو ذکر کیا لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ میرے والد ہیں۔ طبقہ کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب عبداللہ بن احمد البرقی کی ہے یا احمد بن عبداللہ البرقی کی ہے اور یہی دوسرا احتمال اقرب ہے۔

نجاشی و شیخ طوسیؒ نے تصریح کی ہے کہ برقی (باپ) کی کتاب رجال میں ہے طبقات کے نام سے لہٰذا یہ باپ کی کتاب ہے جس میں سعد نے اضافہ کیا جو کہ بیٹے نے باپ سے روایت کی۔ یہ احتمال قوی ہے۔ اس کتاب میں ۶۴۵۱ رواۃ کے نام ہیں، کسی کتاب کی طرف اسناد نہیں ہے صرف مجرد اسماءِ رواۃ ہیں بغیر کسی توثیق و تضعیف کے۔ صرف تین مورد میں ایسا ہے:

۱. سلمان بن خالد البجلی الاقطع کوفی کان خرج مع زید بن علی فافلت و فی کتاب سعد انه خرج مع زید فافلت فمنّ اللّٰه علیه و تاب و رجع بعده.

۲. هشام بن الحکم مولی بنی شیبان کوفی تحول من بغداد إلی الکوفة و کنیته ابو محمد و في کتاب سعد له کتاب و کان فی غلمان ابی شاکر الزندیق جسمی ارویّ.

۳. داؤد بن ابي زید داؤد بن بنودر و یکنّی بابی سلیمان.... معروف بصدق اللهجة.

اس رجال برقی میں خود برقی کی طرف سے ہی ایک مورد ہے جس میں مدح

Presented by Ziaraat.Com

وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا اسے اصولِ رجالیہ میں شامل کرنے یا نہ کرنے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

(۲) اختیار الرجال

یہ شیخ طوسیؒ نے رجالِ کشی کی تلخیص کی ہے جو کہ **معرفة الناقلين عن الآئمة الصادقين لابی عمرو محمد بن عمر بن عبد العزيز الكشی** (۳۶۷) تھی۔ کشی خود ثقہ عین تھے لیکن ضعفاء سے روایت کرتے تھے۔ کش بخارا میں ایک شہر ہے آج کل اسے شہر سبز کہتے ہیں۔ شیخ طوسی نے احمد بن داؤد فزاری کے ترجمہ میں ان کی کتاب کا نام معرفۃ الرجال لکھا ہے اور اوپر جو نام ذکر ہوا ہے وہ صرف ابن شہر آشوب نے لکھا ہے۔

اور کتاب ''اختیار الرجال''، اسے علامہ نے احد الاصول الاربعة کہا ہے کہ شیخ طوسی نے ۴۵۶ ھ میں اسے تہذیب و تلخیص کیا۔ جبکہ اصل رجال کشی معلوم نہیں ہے۔ آیا صرف اغلاط نکالی گئی یا تلخیص بھی ہوئی؟ ابوعلی حائری نے منتہی المقال میں کہا رجال کشی رجال عامہ پر بھی مشتمل تھی شیخ نے اس طرح کے اضافے نکال کر اسے مہذب کیا۔

(۳) کتاب الرجال لابن الغضائری (۴۱۱ھ)

مؤلف: ابوعبداللہ حسین بن عبیداللہ الغضائری الواسطی، مؤلف میں اختلاف ہے کہ آیا حسین مؤلف ہے یا ان کا بیٹا احمد مؤلف ہے۔ شیخ طوسی نے مقدمۃ الفہرس میں بیٹے کا ذکر کیا ہے اور ان کی دو کتابیں ذکر کی ہیں لیکن ان کے استنساخ سے پہلے وہ ضائع ہوگئیں۔

نجاشی نے احمد بن الحسین الصیقل کے ترجمہ میں بیٹے کا تذکرہ کیا ہے فرمایا:

Presented by Ziaraat.Com

له کتب لا یعرف منها إلا النوادر قراته انا و احمد بن الحسین علی ابیه اور ترجمہ علی بن محمد بن شیران میں فرمایا: **کنا نجتمع معه عند احمد بن الحسین** ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شیخ نجاشی تھے لیکن اس کے باوجود نجاشی نے انہیں عنوان نہیں کیا۔ (ان کا نام اپنی کتاب میں نہیں لیا)۔

کتاب:

سب سے پہلے ابن طاؤس (۶۷۳ھ) نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ان کی کتاب **حل الإشکال في معرفة الرجال** تھی جس میں انہوں نے کتب خمسۃ رجالیۃ (**رجال طوسی، فهرسته، اختیار الکشی، فهرس النجاشی** اور کتاب **الضعفاء لابن الغضائری**) سے نقل کیا۔ علامہ وابن داؤد نے وہی درج کیا جو ان کے استاد سید ابن طاؤس نے درج کیا تھا۔ پھر ان سے متاخرین فقہاء انہی دونوں سے نقل کرتے ہیں اور ابن غضائری کی کتاب متاخرین سے منقطع ہوگئی صرف وہی جو سید ابن طاؤس نے الضعفاء سے نقل کیا تھا وہی معلوم ہو سکا۔ شہید ثانی کے پاس **حل الإشکال** کا نسخہ بخطِ مؤلف موجود تھا جو ان کے بیٹے صاحب معالم کی طرف منتقل ہوئی انہوں نے اس سے تحریر طاؤسی کا استخراج کیا۔ پھر حل الاشکال کا وہی نسخہ مولی عبداللہ بن حسین تستری کے ہاتھ لگا۔ اس سے انہوں نے کتاب الضعفاء کی عبارات نکال کر الگ کر لیں پھر ان کے شاگرد عنایۃ اللہ قہپائی نے اسے اپنی کتاب مجمع الرجال میں مندرج کیا جس میں اصول رجال خمسہ مجموع ہیں۔

شہید ثانی کے نزدیک یہ کتاب خود غضائری کی تصنیف ہے جو کہ حسین بن عبیداللہ ہیں نہ کہ بیٹے کی ہے جو احمد بن الحسین ہیں لیکن استاد جعفر سبحانی نے ترجیح دی کہ یہ بیٹے کی تصنیف ہے نہ کہ والد کی چونکہ والد کا نام شیخ طوسی ذکر کرتے ہیں لیکن ان

Presented by Ziaraat.Com

کی کتاب رجال کا تذکرہ نہیں کرتے۔ نیز اس کتاب پر سب سے پہلے سید ابن طاؤس واقف ہوئے۔ انہوں نے اس کے بیٹے کی طرف نسبت دی ہے۔ احمد بن الحسین کی دو کتابیں شیخ نے ذکر کیں جن کا استنساخ نہیں ہو سکا۔ ایک کتاب المدد وحین تھی جو ہم تک نہیں پہنچ سکی اور دوسری کتاب الضعفاء تھی۔

کیا کتاب قابل اعتماد ہے تضعیفات میں؟

اس بارے اقوال مختلف ہیں۔ ظاہراً غضائری تضعیف کیلئے قرائن قطعیہ کے بجائے اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان پر اس بارے اکثر علماء اعتماد نہیں کرتے، مثلاً محمد بن اورمہ کو شیخ و نجاشی نے تضعیف کیا ہے لیکن غضائری نے اس کی توثیق کی ہے یہ کہتے ہوئے کہ میں نے اس کی کتب اور روایات میں نظر کی ہے کوئی قابل اشکال بات نظر نہیں آئی۔ بعض دفعہ اجلاء کی تضعیف کرتے، مثلاً احمد بن مہران کو ضعیف کہا جبکہ کلینی ان سے بلاواسطہ نقل کرتے ہیں اور ان پر ترحم (رحمہ اللہ) کہتے ہیں۔ محقق داماد نے کہا: قلّ ان یسلم احد من جرحه او ینجو ثقة من قدحه، ان کی جرح سے کوئی کم ہی بچ سکا (سماء المقال: ص۲۲)

(۴) رجال النجاشی

ابو العباس احمد بن علی بن احمد النجاشی (ت۴۵۰ھ)، مصنف نے اسے فہرست کتب الشیعۃ کا نام دیا ہے۔ نجاشی فن رجال کے نقاد تھے اور اجلاء واعیان میں سے تھے۔ مورد اعتماد تھے جیسا کہ محقق نے معتبر میں غساله ماء الحمام کے بارے بحث میں کہا: و ابن جمهور ضعيف جدا ذكر ذلك النجاشي في كتاب الرجال، یعنی ابن جمہور انتہائی ضعیف ہیں یہ بات نجاشی نے کتاب الرجال میں کہی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

معروف یہ ہے کہ آپ اضبط واثبت علماءِ رجال تھے حتی کہ شیخ وعلامہ سے اس فن کے بارے آپ کی معلومات بہت وسیع تھیں ۔ چونکہ آپ کا فن رجال کے جاننے والوں سے بہت ساتھ رہا جیسے احمد بن الحسین الغضائری شیخ احمد بن علی بن عباس بن نوح السیرافی ، احمد بن محمد ابن الجندی ، ابن ابی قرة الکاتب وغیرھم ۔آپ نے یہ فہرست شیخ کی فہرست کے بعد تالیف کی ۔مرحوم بروجردی معتقد تھے کہ فہرست نجاشی شیخ طوسیؒ کی فہرست کے لاحقے کی مانند ہے۔

نجاشی نے یہ فہرست سید شریف (سید مرتضیٰ علم الہدیٰ) کے طلب کرنے پر لکھی اور حروف معجم کی ترتیب پر ہے۔آپ نے متقدمین کے ذکر پر اقتصار کیا ہے ۔ معاصرین ومتاخرین کو معرض نہیں ہوئے ۔قھپائی نے تصریح کی ہے کہ آپ کی مراد سید شریف سے سید مرتضیٰ ہیں اور نجاشی نے ان کا ذکر کے اطال اللّٰہ بقائہ کہا ہے اس کا مطلب ہے وہ اس وقت تک زندہ تھے ۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب ۴۳۶ ہج سے پہلے لکھی گئی ہے جو کہ سید مرتضی کی تاریخ وفات ہے۔

صدوق ابن بابویہ کے ترجمہ میں آپ نے یہ تصریح کی کہ آپ نے اسے شیخ کی الفہرس کے بعد لکھا ہے کیونکہ اس میں کہا دعائم الإسلام مذکور في فهرست الشیخ الطوسی اور خود شیخ طوسی کے ترجمہ میں ان کی فہرست کا تذکرہ کیا ہے۔

نجاشی نے بعض رواۃ کو دوسرے رواۃ کے ذیل میں ذکر کیا ہے اور ان کی توثیق بیان کی ہے ۔بعض وہ ہیں جن کا ترجمہ کیا ہے لیکن ان کی توثیق دوسرے رواۃ کے ذیل میں ہے اور دوسرے وہ ہیں جن کا مستقلاً ترجمہ ہی ذکر نہیں کیا لیکن ان کی توثیق دوسرے رواۃ کے ذیل میں کی ہے، اما القسم الاول :

۱) احمد بن محمد بن محمد بن سلیمان الرازی :ان کی توثیق

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

جعفر بن محمد بن ملک (الرقم ۳۱۳) میں کی

۲) سلمه بن محمد بن عبد الله الخزاعی: ان کی توثیق ان کے بھائی منصور بن محمد (۱۰۹۹) کے ترجمہ میں کی

۳) شهاب بن عبد ربه الاسدی: ان کی توثیق ان کے بھتیجے اسماعیل بن عبدالخالق کے ترجمہ (الرقم ۵۰) میں کی

۴) صالح بن خالد المحاملی الکناسی: ان کی توثیق ابی شعیب المحاملی (الرقم ۱۲۴۰) میں کی

۵) عمرو بن منهال بن مقلاص قیسی: ان کی توثیق ان کے بیٹے حسن بن عمرو بن منہال (الرقم ۱۳۳) میں کی

۶) محمد بن عطیه الحناظ: ان کی توثیق ان کے بھائی حسن بن عطیہ الحناط (الرقم ۹۳) کے ترجمہ میں کی

۷) محمد بن همام بن سهیل الاسکافی: ان کی توثیق جعفر بن محمد بن مالک الفزاری (الرقم ۳۱۳) کے ترجمہ میں کی۔

القسم الثانی

دوسری قسم میں وہ افراد ہیں جن کا ترجمہ ہی نہیں کیا لیکن دوسرے افراد کے ذیل میں ان کی توثیق ہوئی ہے، یہ ۴۳ افراد ہیں:

۱) احمد بن محمد بن الهیثم العجلی: ان کی توثیق ان کے بیٹے حسن (الرقم ۱۵۱) میں کی ہے

۲) اسد بن اعفر المصري: ان کی توثیق ان کے بیٹے داؤد (الرقم ۴۱۴) میں ہے

Presented by Ziaraat.Com

۳) إسماعيل بن ابي السمال الاسدي : ان کی توثیق ان کے بھائی ابراہیم (الرقم ۳۰) میں کی

۴) إسماعيل بن الفضل بن يعقوب النوفلي : ان کی توثیق ان کے بھائی حسین بن محمد بن فضل (الرقم ۱۳۱) میں کی

۵) جعفر بن إبراهيم الطالبي الجعفري : ان کی توثیق ان کے بیٹے سلیمان (الرقم ۴۸۳) میں کی

۶) حسن بن ابي ساره الرواسي کی توثیق ان کے بیٹے محمد (الرقم ۸۸۳) میں کی ہے

۷) حسن بن شجره بن ميمون الكندي : ان کی توثیق ان کے بھائی علی (الرقم ۷۲۰) میں کی

۸) حسن بن علوان الكلبي : ان کی توثیق ان کے بھائی حسین (الرقم ۱۱۶) میں کی

۹) حسن بن محمد بن خالد الطيالسي : ان کی توثیق ان کے بھائی عبداللہ (الرقم ۵۷۲) میں کی

۱۰) حفص بن سابور بن زيات : ان کی توثیق ان کے بھائی بسطام (الرقم ۲۸۰) میں کی

۱۱) حفص بن سالم: ان کی توثیق ان کے بھائی عمر (الرقم ۵۸۷) میں کی

۱۲) حيان بن علي الغنوی : ان کی توثیق ان کے بھائی مندل (الرقم ۱۱۳۱) میں کی

۱۳) زكريا بن سابور الزيات : ان کی توثیق ان کے بھائی بسطام (الرقم

Presented by Ziaraat.Com

۲۸۰) میں کی

۱۴) زیاد بن سابور الزیات: ان کی توثیق ان کے بھائی بسطام میں کی

۱۵) زیاد بن ابی الجعد الاشجعی: ان کی توثیق ان کے بیٹے کے بیٹے رافع بن سلمہ (الرقم ۴۴۷) میں کی

۱۶) زیاد بن سوقہ العمری: ان کی توثیق ان کے بھائی حفص (الرقم ۳۴۸) میں کی

۱۷) سلمہ بن زیاد بن ابی الجعد الاشجعی: ان کی توثیق ان کے بیٹے رافع (الرقم ۴۴۷) میں کی

۱۸) شجرہ بن میمون بن ابی اراکہ الکندی: ان کی توثیق ان کے بیٹے علی (الرقم ۷۲۰) میں کی

۱۹) صباح بن موسیٰ ساباطی: ان کی توثیق ان کے بھائی عمار (الرقم ۷۷۹) میں کی

۲۰) عبد الاعلی بن علی بن ابی شعبہ الحلبی: ان کی توثیق ان کے ابن عم احمد بن عمر (الرقم ۲۴۵) اور ان کے بھائیوں عبید اللہ (الرقم ۶۱۲) و محمد (۸۸۵) میں کی

۲۱) عبد الخالق بن عبد ربہ الاسدي: ان کی توثیق ان کے بیٹے اسماعیل (رقم ۵۶) میں کی

۲۲) عبد الرحمٰن بن ابي عبد الله البصري: ان کی توثیق ان کے پوتے اسماعیل بن ہمام (رقم ۶۲) میں کی

۲۳) عبد الرحیم بن عبد ربہ الاسدي: ان کی توثیق ان کے بھائی

اسماعیل (رقم ۵۰) میں کی

۲۴) عبد اللّٰه بن رباط البجلي: ان کی توثیق ان کے بیٹے محمد (۹۵۵) میں کی

۲۵) عبد الله بن عثمان بن عمرو الفزاري کی توثیق ان کے بھائی حماد (رقم ۳۷۱) میں کی

۲۶) عبد الملك بن سعيد الكناني : ان کی توثیق ان کے بھائی عبداللہ (رقم ۵۶۵) میں کی

۲۷) عبد الملك بن عتبة النخعي : ان کی توثیق عبدالملک بن عتبۃ الہاشمی (رقم ۴۹۵) میں کی

۲۸) علي بن ابي شعبة الحلبي: ان کی توثیق ان کے بیٹے عبیداللہ (رقم ۶۱۲) میں کی

۲۹) علی بن بشیر: ان کی توثیق ان کے بھائی محمد (رقم ۹۲۷) میں کی

۳۰) علي بن عطية الحناط: ان کی توثیق ان بھائی حسن (رقم ۹۳) میں کی

۳۱) عمران بن علي ابي شعبة الحلبي: ان کی توثیق ابن عمر احمد بن عمر (رقم ۲۴۵) میں کی

۳۲) عمر بن ابي شعبة الحلبي : ان کی توثیق ان کے بھائی عبیداللہ کے ذیل میں کی

۳۳) عمرو بن مروان الشكري: ان کی توثیق ان کے بھائی عمار (رقم ۷۸۰) میں کی

۳۴) قيس بن موسى الساباطي : ان کی توثیق ان کے بھائی عمار (رقم

Presented by Ziaraat.Com

۷۷۹) میں کی

۳۵) ابو خالد محمد بن مهاجر بن عبيد الاسدي : ان کی توثیق ان کے بیٹے اسماعیل (رقم ۴۶) میں کی

۳۶) محمد بن الهيثم العجلي : ان کی توثیق ان کے پوتے حسن بن احمد (رقم ۱۵۱) میں کی

۳۷) محمد بن سوقة العمري : ان کی توثیق ان کے بھائی حفص (رقم ۳۴۸) میں کی

۳۸) معاذ بن مسلم بن ابي ساره : ان کی توثیق ان کے ابن عم محمد بن حسن (رقم ۸۸۳) میں کی

۳۹) همام بن عبد الرحمن بن ميمون البصري : ان کی توثیق ان کے بیٹے اسماعیل (رقم ۶۲) میں کی

۴۰) يعقوب بن إلياس بن عمرو البجلي : ان کی توثیق ان کے بھائی عمر (رقم ۷۷۲) میں کی

۴۱) ابو الجعد الاشجعي : ان کی توثیق ان کے پوتے رافع بن سلمہ (۴۴۷) میں کی

۴۲) ابو شعبة الحلبي : ان کی توثیق ان کے پوتے عبید اللہ بن علی (رقم ۶۱۲) میں کی

۴۳) ابو عامر بن جناح الاسدي : ان کی توثیق ان کے بھائی سعید (رقم ۵۱۲) میں کی

عدّة النجاشي، روى النجاشي عن عدة عن جعفر بن محمد بن

Presented by Ziaraat.Com

قولویہ، بحر العلوم فرماتے ہیں: نجاشی نے سعد بن عبداللہ الاشعری میں اس عدۃ کو بیان کیا ہے، لیکن وہ کون ہیں یہ نہیں بتایا۔ البتہ ابن قولویہ کے ترجمہ میں نجاشی نے تصریح کی ہے کہ میں نے اکثر کتب کی قرائت مفید، غضائری پر کی ہے اور سعد بن عبداللہ کے ترجمہ میں ان کے نام ذکر کیے ہیں جن سے روایت کی ہے۔

نجاشی نے اصحاب مذاہب فاسدہ کی ایک جماعت کی توثیق کی ہے:

۱۔ إسحاق بن بشر ابو حذيفة الكاهلي الخراساني عامي ثقة

۲۔ يحيى بن سعيد القطان ابو زكريا عاميّ ثقة

۳۔ عباد بن صهيب بتري ثقة

۴۔ احمد بن الحسن بن إسماعيل بن شعيب بن ميثم تمار واقفي ثقة

۵۔ احمدبن محمد بن علي بن عمر بن رباح الواقفي، واقفي ثقة

۶۔ جعفر بن محمد بن سماعة الحضرمي ، واقفي ثقة

۵۔ رجال الشیخ الطوسی

الشيخ ابو جعفر محمد بن الحسن بن علي الطوسي (م۴۶۰)، اس تالیف کا تذکرہ خود شیخ نے الفہرس میں کیا ہے۔ اس میں اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ اور آئمہ علیہم السلام حسب ترتیب عصور جمع کیے ہیں۔ اس میں صرف جمعِ اسماء ہیں، مؤمن ہوں یا منافق، شیعہ ہوں یا سنی حتی خلفاء و معاویہ و عمرو بن عاص وغیرہ کو اصحابِ نبیؐ اور زیاد بن ابیہ و عبید اللہ بن زیاد کو اصحاب امیر المؤمنینؑ اور منصور دوانیقی کو اصحابِ امام جعفر صادق علیہ السلام میں ذکر کیا ہے لیکن ان کے بارے کوئی بات نہیں کی۔

(قاموس الرجال، ج۱، ص۱۹)

Presented by Ziaraat.Com

لیکن نہ سب اصحابِ نبی (ص) کو مکمل ذکر کیا ہے اور نہ ہی سب اصحابِ آئمہ علیہم السلام کو۔

۶۔ فہرس الشیخ

اس میں ان کے نام ہیں جن کی اصل یا تصنیف ہے (اصل اور تصنیف کے درمیان فرق آگے آئے گا)۔ انہوں نے اس کتاب میں اصول و مصنفات ذکر کیے ہیں اور ان تک اپنے طرق کو اسی کتاب میں ذکر کیا ہے یعنی شیخ تہذیب میں ان اصول و مصنفات سے روایات نقل کرتے ہیں لیکن ان تک اپنے طرق کو وہاں ذکر نہیں کرتے لیکن اسے انہوں نے الفہرس میں ذکر کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں شیخ فرماتے ہیں:

فإذا ذكرت كل واحد من المصنفين و اصحاب الاصول فلابدّ ان اشير إلى ما قيل فيه من التعديل و التجريح و هل يعوّل علي روايته اولا و ابيّن اعتقاده هل هو موافق للحق او هو مخالف، یعنی جب میں کسی مصنف یا صاحب اصل کا ذکر کروں تو ضروری ہے کہ اس کی جرح و تعدیل بیان کروں کہ کیا اس کی روایت قابل اعتماد ہے یا نہیں، آیا شیعہ ہے یا سنی؟

البتہ بہت سے موارد میں شیخ نے ایسا نہیں کیا، مثلا ابراہیم بن ابی بکر بن ابی السمال کے بارے ایسا کچھ نہیں کہا حالانکہ وہ واقفی تھا جیسا کہ کشی و نجاشی نے کہا ہے۔ نیز بہت سے ضعفاء کی تضعیف بیان نہیں کی جیسے حسن بن علی السجاد جو کہ ابوالخطاب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت دیتا تھا کے بارے کچھ نہیں کہا۔

(قاموس الرجال، ج۱، ص۱۸)

بعض موارد میں شیخ نے عدّة من اصحابنا ذکر کیا ہے۔ ان کی تصریح چند موارد

Presented by Ziaraat.Com

میں خود انہوں نے کر دی ہے کہ شیخ مفید اور بعض دوسرے افراد مراد ہوتے ہیں جیسے کہ احمد بن الحسن الاسفرائنی کے ترجمہ میں فرمایا: اخبرنا عدّة من اصحابنا فمنهم الشيخ ابو عبد الله محمد بن محمد بن النعمان المفيد و الحسين بن عبيد الله و احمد بن عبدون وغيرهم ۔ اور احمد بن ابی نصر البزنطی کے ترجمہ میں فرمایا: له كتاب اخبرنا به عدّة من اصحابنا منهم الشيخ ابو عبد الله محمد بن محمد بن النعمان المفيد و ابو عبد الله الحسين بن عبيد الله الغضائري و احمد بن عبدون وغيرهم۔ محمد بن محمد بن خالد البرقی کے ترجمہ میں فرمایا: عدّة من اصحابنا منهم کہ وہی اوپر والے افراد ذکر کیے ہیں۔ پس فہرست میں جہاں عدۃ کہا وہ سند اس جہت سے بلا اشکال ہے۔ مرحوم شیخ محمد تقی التستری نے قاموس الرجال کے مقدمہ میں الفصل العشرون الفهرس کی اغلاط کی نشاندہی کیلئے قائم کی ہے۔

۷۔ رسالہ ابی غالب رازی

الشيخ احمد بن محمد ابی غالب الرازی ،انہوں نے آل اعین کے نسب کے بارے یہ رسالہ لکھا ہے اور ان میں سے محدثین کے تراجم لکھے۔ یہ رسالہ انہوں نے اپنے پوتے محمد بن عبداللہ بن ابی غالب کے لئے اجازہ کے طور پر ۳۵۶ھ حج میں لکھا۔ پھر ۳۶۷ھ میں اس کی تجدید کی اور ۳۶۸ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ اس میں آپ نے بیس سے زیادہ اپنے مشائخ کا تذکرہ کیا ہے۔ آخر رسالہ میں اپنے پاس موجود کتب کی فہرس ذکر کی کہ جنہیں آپ ان کے مؤلفین سے روایات کرتے ہیں۔ یہ ۱۲۲ کتب ہیں۔ یہ رسالہ مختصر ہونے کے باوجود اصولِ رجالیہ میں سے شمار ہوتا ہے اور کشکول محدث بحرانی میں مطبوع ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

۸۔ مشیخۃ الصدوق

ابو جعفر محمد بن علي بن حسين بن بابويه ،امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی دعا سے ۳۰۶ھ میں متولد ہوئے اور ۳۸۱ میں فوت ہوئے۔ کلینی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ غالبا پوری سند ذکر کرتے ہیں سوائے بعض موارد کہ ان میں اخبار سابقہ پر اعتماد کرتے ہوئے سب اسناد ذکر نہیں کرتے۔ لیکن شیخ صدوق "من لا یحضرہ الفقیہ" میں اسناد کو مختصر ذکر کرتے ہیں اور اوائل اسناد وہاں ذکر نہیں کیں۔ ان کے لئے مشیخہ وضع فرمایا ہے جس میں اپنی سند کو اس کتاب تک بیان کرتے ہیں اسے شیخ نے من لا یحضرہ الفقیہ کے آخر میں مندرج فرمایا ہے۔ عمار بن موسی ساباطی سے شروع ہوتا ہے اور سعد بن ظریف الخفاف پر ختم ہوتا ہے۔ اسماء میں ترتیب حروف کی رعایت نہیں کی اور ۱۳۹۸ اسماء پر مشتمل ہے۔

شیخ حر عاملی نے خاتمہ وسائل الشیعۃ میں فائدۂ اولی میں اسماء کی ترتیب کے ساتھ انہیں ذکر کر دیا ہے۔

۹۔ مشیخۃ الشیخ الطوسی در تہذیب واستبصار

آپ نے بھی شیخ صدوق کی طرح ابتداء اسناد مشیخہ میں ذکر کیں۔ ان کے بارے مزید وضاحت کتب اربعہ کے بارے گفتگو کے ضمن میں آئے گی۔

اصول اربعہ رجالیہ متاخرہ

ان کا درجہ سابقہ اصول اربعہ کے بعد ہے اور ان کتب کے لکھنے والے چھٹی ہجری میں تھے:

۱. فهرس شيخ منتجب الدين :

یہ شیخ حافظ علی بن عبید اللہ بن حسن بن حسین بن حسن بن حسین بن علی بن

Presented by Ziaraat.Com

بابویہ تھے۔ یہ ۶۰۰ھ تک زندہ تھے۔ شیخ حر عاملی نے ان کے بارے کہا:

الشيخ الجليل علي بن عبيد الله ... كان فاضلا عالما ثقة صدوقا محدثا حافظا راوية علامة له كتاب الفهرس في ذكر المشائخ المعاصرين للشيخ الطوسي و المتاخرين إلى زمانه.

(امل الآمل : ج۲ ، ص ۱۹۴)

آپ نے یہ فہرس شیخ طوسی کی فہرس کی تکمیل میں لکھی بعد از شیخ کے علماء کے عنوان سے جبکہ آپ کے دور میں ابن شہر آشوب نے بھی معالم العلماء اسی عنوان سے لکھی تھی۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے لسان المیزان میں اس الفہرس سے کثرت سے رجال الشيعة یا رجال الإمامية کی تعبیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ان کی ایک کتاب تاریخ الری بھی تھی جس سے ابن حجر نقل کرتے ہیں لیکن ہم تک نہیں پہنچ سکی۔

۲. معالم العلماء في فهرس كتب الشيعة و اسماء المصنّفين

یہ محمد بن علی بن شہر آشوب المازندرانی کی تالیف ہے (متولد ۴۸۸ھ، م ۵۸۸ھ)۔ الوافي بالوفيات میں صفدی نے آپ کو بڑے اچھے لفظوں میں یاد کیا ہے ۔ شیخ حر عاملی نے امل الآمل میں محمد کے ذیل میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب میں ۱۰۲۱ تراجم ہیں۔ یہ فہرس بھی فہرس شیخ کیلئے تکملہ ہے۔

۳. رجال ابن داؤد

تقي الدين حسن بن علي بن داؤد الحلي (متولد ۶۴۷ھ، م ۷۰۷ ھ)، آپ ابن طاؤس کے شاگرد تھے اور محقق اول سے بھی شرف تلمذ رکھتے تھے۔ یہ کتاب حسن ترتیب میں سب کتب پر فائق ہے کیونکہ اس میں خود شخص، اس کے والد اور دادا کے لحاظ سے ترتیب حروف ہے۔ آپ نے سابقہ کتب رجال سے جیسے فہرس شیخ و

Presented by Ziaraat.Com

نجاشی ، رجالِ کشی ، ابن الغضائری ، برقی ، عقیقی ، ابن عقدہ ، فضل بن شاذان اور ابن عبدون سب سے نقل کیا ہے۔ کتاب کو دو جزء قرار دیا۔ پہلے جزء میں موثقین و مہملین اور دوسرے جزء میں مجہولین و مجروحین کا تذکرہ ہے۔ جزءِ اول میں آپ نے ان ۳۳ افراد کا تذکرہ کیا ہے جن کے بارے نجاشی نے ثقة ثقة کہا ہے، پھر پانچ مزید افراد ذکر کیے جنہیں عضائری نے ذکر کیا۔

٤. خلاصة الاقوال في علم الرجال

یہ علامہ علی الاطلاق حسن بن یوسف بن المطهر الحلي (متولد ۶۴۸ھ، م ۷۲۶ھ) کی تالیف ہے۔ اس میں دو قسمیں ہیں: القسم الاول فيمن اعتمد عليه و فيه سبعة عشر فصلا و القسم الثاني مختص بذكر الضعفاء من ردّ قوله او وقف فيه و فيه ايضا سبعة عشر فصلا ۔ آخر میں خاتمہ ہے جو دس فوائد پر مشتمل ہے۔

علامہ اس کتاب میں فہرسِ شیخ و نجاشی کے علاوہ رجال ابن عقدہ و عقیقی و کتاب ابن عضائری سے نقل کرتے ہیں اور نجاشی کا نسخہ ظاہراً علامہ کے پاس اس سے کامل تر تھا جو ہمارے پاس ہے۔ اس وجہ سے ایسی چیزیں اس سے نقل کیں جو ہمارے والے موجودہ نسخہ میں نہیں ہیں۔ (قاموس الرجال، ج۱، ص ۱۵)

ابن داؤد اور علامہ دونوں سید ابن طاؤس کے شاگرد تھے جو کہ بہت بڑے رجالی تھے۔ لہٰذا انہی سے انہوں نے روش کو استفادہ کیا۔

مہمل و مجہول میں فرق

مہمل سے مراد وہ راوی ہے جس کا ذکر علماء نے کیا ہو لیکن اس کی توثیق و تضعیف بیان نہ کی ہو۔ جبکہ مجہول وہ ہے کہ رجالیون نے جس کی مجہولیت کی تصریح کی

Presented by Ziaraat.Com

ہواور یہ الفاظ جرح میں سے ہیں۔ یہ علامہ وابن داؤد دونوں کی روش ہے۔ لہٰذا مجہول کو قسم ثانی میں ذکر کرتے ہیں۔ لیکن ان سے متاخرین علماء جیسے شہید ثانی ومجلسی و مامقانی کی اصطلاح میں مجہول اعم مراد ہوتا ہے جو مہمل کو بھی شامل ہے کہ جس کی مدح وذم وارد نہ ہوئی ہو۔

کتب رجالیہ در عصؤر متاخرہ

یہ کتب دسویں صدی ہجری کے اواخر سے تا اواخر بارہویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہیں:

۱. مجمع الرجال :

یہ عناية الله القهبائي از تلامیذ مقدس اردبیلی (م۹۹۳ھ) واز تلامیذ عبد اللہ تستری (م۱۰۲۱ھ) واز تلامیذ شیخ بہائی (م۱۰۳۱ھ) کی تالیف ہے۔ اس کتاب میں تمام اصول رجالیہ کو جمع کر دیا گیا ہے حتی کتاب الضعفاء للغضائری کو بھی۔

۲. منهج المقال :

یہ مرزا محمد بن علي بن إبراهيم الاستر آبادی (م۱۰۲۸ھ) کی تالیف ہے۔ آپ محمد امین استر آبادی صاحب کتاب الفوائد المدنية کے استاد تھے۔

۳. جامع الرواة :

یہ الشيخ محمد بن علي الاردبيلی کی تالیف ہے۔ آپ نے اس کتاب کی تالیف میں بیس سال کا عرصہ لگایا ہے اور بڑے قواعد رجالیہ کا ابتکار کیا ہے جن کی وجہ سے بہت سی مجہول، مرسل اور ضعیف روایات معلومۃ السند وصحیح ہوگئی ہیں۔ یہ کتاب دو حصوں میں چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کتب اربعہ کے رواۃ کو جمع کیا گیا ہے اور ہر راوی کے ترجمہ میں اس کے مروی عنہ و راوی کا

Presented by Ziaraat.Com

ذکر کیا گیا ہے اور اس کی روایات کی تعداد بھی معین کی گئی ہے۔ اس کتاب کی تالیف سے بہت سے ابہامات دور ہو گئے ہیں۔

٤. نقد الرجال

یہ **سید مصطفی التفریشی** کی تالیف ہے جو انہوں نے ۱۰۱۵ھ میں تالیف کی۔ آپ عبداللہ تستری کے شاگرد تھے۔ آپ نے تمام اقوال جمع کیے ہیں جو کسی راوی کے بارے مدح وذم کے حوالے سے کہے گئے ہیں۔

٥. منتهى المقال في احوال الرجال

یہ رجالِ ابی علی حائری کے نام سے معروف ہے جس کو **ابی علی محمد بن اسماعیل الحائری** (م ۱۲۱۵ھ یا ۱۲۱۶ھ) نے تالیف کیا ہے۔ آپ نے بعض رواۃ کو مجہول کہہ کر ان کا ذکر نہیں کیا کہ ان کا کوئی فائدہ نہیں حالانکہ وہ مجہول نہیں ہیں بلکہ اکثر مہمل ہیں۔

ان کتب میں قرائن برضعف وتوثیق جمع کیے گئے ہیں لیکن زیادہ تر حدس پر مشتمل ہیں۔ کچھ اور کتب بھی ہیں جن کی تالیف ان سے بھی متاخر ہے، جیسے **تنقیح المقال** جو کہ **عبد اللّٰہ المامقانیؒ** (م ۱۳۵۱ھ) کی تالیف ہے۔ یہ جامع ترین کتاب ہے کیونکہ فن کتب رجالیہ متقدمہ ومتاخرہ میں جو کہا گیا ہے وہ آپ نے اس میں جمع کر دیا ہے۔ آپ نے صحابہ، تابعین اور تمام اصحاب آئمہ وغیرہم کو جمع کیا ہے چوتھی صدی تک۔ اس میں مجہول ومہمل کے درمیان خلاء واقع ہوا ہے۔ اس کتاب کی تالیف میں صرف تین سال صرف ہوئے۔

٦. قاموس الرجال

قاموس الرجال جو کہ شیخ محمد تقی تستری کی تالیف ہے۔ یہ پہلے رجالِ مامقانی

Presented by Ziaraat.Com

پر تعلیقہ کے طور پر لکھی گئی تھی پھر اس کو مستقل کتاب کی شکل دے دی گئی اور ۱۳ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

۷. مرتب الاسانید

آیۃ اللہ العظمیٰ سید حسین بروجردی نے دو کام کیے: (۱) کتب اربعہ کی اسانید کو مرتب کیا اور پھر کتب اربعہ رجالیہ وغیرہ کی اسانید کی ترتیب دی، (۲) اور دوسرا آپ نے طبقات الرجال کے نام سے کتاب لکھی عصر نبی اکرم ﷺ سے تا زمان شیخ طوسی آپ نے ۱۲ طبقات قرار دیئے ہیں۔

۸. معجم رجال الحدیث

آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم الخوئی نے ایک مفصل کتاب لکھی جس کا نام معجم رجال الحدیث وتفصیل طبقات الرواۃ ہے۔ آپ کسی راوی کے ترجمہ میں اس کی تمام روایات کو ذکر کرتے ہیں کہ کتب اربعہ میں کس سے روایت کرتا ہے اور کہاں کہاں اس کی روایات ہیں اور رواۃ ومروی عنہم کو ذکر کرتے ہیں۔ ۲۳ جلد میں یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

توثیقات خاصہ

اس مقصد کے آغاز سے پہلے مقدمۃً اصالۃ العدالۃ یا اصالۃ الوثاقۃ کی وضاحت ضروری ہے۔ علم اصول میں ثابت ہو چکا ہے کہ راوی سے جواز اخذ روایت کیلئے اس میں عدالت کا ہونا شرط نہیں بلکہ اس کی وثاقت کافی ہے جیسا کہ مرحوم شیخ الطائفہؒ نے دعوی کیا ہے کہ ثقۃ متحرز عن الکذب کی خبر پر طائفہ کا عمل ثابت ہے اگرچہ وہ جوارح کے لحاظ سے فاسق ہو۔

عدالۃ الراوی کا دعوی آیت نباء کے مفہوم سے اخذ کیا گیا ہے۔ آیت نباء

Presented by Ziaraat.Com

﴿ اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ... ، (الحجرات:٦)﴾ میں جملہ شرطیہ کا موضوع طبعی نباء یعنی شرط مجیئ الفاسق ہے اور حکم لزوم تبین (تحقیق) ہے۔ پس اس کا منطوق دال ہے کہ خبر فاسق مطلقاً حجت نہیں ہے اگرچہ وہ ثقہ ہو۔ جبکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ غیر فاسق کی خبر حجت ہے جو کہ عدل ہے۔ یہ استدلال درست نہیں:

اوّلاً: ہوسکتا ہے آیت میں موضوع فاسق ہو اور شرط مجیئ بالنباء ہو اور انتفاءِ شرط برابر ہو عدمِ نباء کے، یعنی خبر ہی نہ لائے۔

ثانیاً: بالفرض آپ کی بات صحیح ہو تب بھی یہ اس وقت تک ہے کہ مقرون بالقرینة نہ ہو جبکہ یہاں تعلیل قرینہ ہے۔

یعنی مفہوم اگرچہ خبر عدل کے ساتھ اختصاص میں ظہور رکھتا ہے لیکن تعلیل دال ہے کہ یہ حجت خبرِ عدل کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ تعلیل اس آیت میں کہتی ہے ﴿اَنْ تُصِيْبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ... ، (الحجرات:٦)﴾ خبر ثقہ کو منطوق سے خارج کر رہی ہے چونکہ عقلاء خبرِ ثقہ پر ہمیشہ عمل کرتے رہے ہیں اس لیے کہ اس پر عمل کرنا سفیہانہ عمل شمار نہیں ہوتا۔

کیا اصالة العدالة ثابت ہے؟

عدالت خود تو صفت وجودی ہے جس کی تعریف یہ ہے "ملكة راسخة في النفس او استقامة كما هو الظاهر"۔ لیکن اصالہ عدمِ فسق اگر جاری کریں تو اس کا لازمہ عدالت ہوسکتی ہے چونکہ ان دونوں میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن یہ اصل اصل مُثبِت جو کہ حجت نہیں ہے۔ اس طرح کی بعض اور وجوہ بھی ذکر کی گئی ہیں جو کہ تمام نہیں ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

اصالة الوثاقة

وثاقت بھی عدالت کی طرح صفت وجودیہ ہے، ہر غیر کاذب ثقہ نہیں کہلاتا، مثلا بالغ جس نے ابھی کوئی کلمہ نہیں بولا اسے ثقہ نہیں کہہ سکتے۔ ثقہ تب کہلائے گا کہ اس کی باتوں کا استقراء کر لیا جائے اور وہ مطابق واقع ہوں، ہوسکتا ہے ایک شخص کی بات واقع کے مطابق ہو لیکن وہ غیر ثقہ ہو کیونکہ اس کی بناء نہیں تھی طبق واقع بات کرنے کی، اتفاقا اس کی بات طبق واقع ہوگئی ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی بات مطابق واقع نہ ہو لیکن وہ ثقہ ہو چونکہ اس نے صالح مقدمات پر اعتماد کیا تھا۔ یہ مطابقت واتصاف بالوثاقۃ میں عموم من وجہ کی نسبت ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ استصحاب عدم کذب سے وثاقت ثابت نہیں ہوسکتی۔ اگر ہو جائے تب بھی اصل مثبت ہے وثاقت لغۃً اعتماد کے معنی میں ہے جیسے و به ثقتي اور ثقہ وہ ہوتا ہے کہ عقلاء جس کی حدیث پر اعتماد کریں، جیسا کہ عقلاء کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ثقات کی اخبار پر اعتماد کرتے ہیں۔

مراتب توثیق

یہ متعدد مراتب ہیں، اہم چار ہیں:

۱۔ صریحًا دال بر وثاقت ہوں، جیسے ثقة، مامون، ثقة ثقة، صدوق وغیرہ۔

الوثاقة بالمعنى المبحوث عنها ان الفاظ سے صریحًا ثابت ہو جاتی ہے۔ لفظِ مامون بھی دقة في النقل پر دال ہے۔ بعض دفعہ في الحديث وغیرہ کی قید بھی لگا دیتے ہیں۔ یہ مزید توضیح کیلئے ہوتا ہے، جیسا کہ بعض عامہ کی توثیق میں اس طرح وارد ہے، مثلا احمد بن بشر کے

Presented by Ziaraat.Com

ترجمہ میں نجاشی نے کہا: لقة في الحديث واقفي المذهب اور ترجمہ حسن بن احمد بن المغيرة میں کہا: كان عراقيًا مضطربَ المذهب و كان ثقة فيما يرويه ۔

۲۔ ضمناً وثاقت پر دال ہو، جیسے راوی کے بارے کہیں: عظيم الشان، وجهٌ من وجوه ، اصحابنا ، جليل القدر وغیرہ، یہ الفاظ ضمناً وثاقت پر دال ہیں۔

۳۔ وہ کلمات جو وثاقت پر دلالت ظنی رکھتے ہیں، جیسے راوی کے بارے کہیں صحيح الحديث ، وجيه ، من علمائنا، من اصحابنا یا كان فاضلا وغیرہ۔ ان الفاظ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا مگر یہ کہ کوئی قرینہ ان کے ساتھ منضم ہو جو دال بر وثاقت ہو۔

۴۔ وہ جو وثاقت پر احتمالی دلالت رکھتے ہوں، جیسے راوی کے بارے کہیں بانه ذو اصل او كتاب او كان خيرا ، يا رحمه الله یا حسن وغیرہ، یہ الفاظ بھی تنہا وثاقت کیلئے کافی نہیں ہیں۔

مراتب تضعیف

یہ چار اقسام پر ہے:

۱۔ وہ الفاظ جو صریحاً تکذیب راوی پر دال ہوں، جیسے بانه كذّاب وضّاع ، مفتر وغیرہ۔ ایسی تعبیرات صریحاً جرح فی النطق شمار ہوتی ہے، ایسی تعبیر کی بناء پر روایات کو اصحاب طرح (ردّ) کر دیتے ہیں۔

۲۔ ضعف راوی کی تصریح کی جائے جیسے فلانٌ ضعيفٌ ، اس طرح کی تصریح، طرحِ روایتِ راوی کی شاہد بن سکتی ہے لیکن اس سے کذب

Presented by Ziaraat.Com

راوی ثابت نہیں ہوسکتا چونکہ ضعف کی کوئی اور وجہ بھی سکتی ہے، اس میں چار احتمال ہیں:

الف: اس سے ضعف في كيف الحديث ہو، یعنی اس راوی کی روایات خطوطِ آئمہؑ سے مناسبت نہیں رکھتی یا متفرد بالرواية ہے یا لا ابالي فيما يرويه ہے۔

ب: اس سے مراد ضعف في العقيدة ہو یعنی وقف و فطح و بتر وغیرہ کی وجہ سے فاسد المذہب ہو۔

ج: وہ راوی جو رواۃ سے مطلقاً نقلِ روایات کرے اور صحاح وثقات سے نقل پر ملتزم نہ ہو، جیسا کہ احمد بن محمد بن عیسی الاشعری نے البرقي کو قم سے نکال دیا اس خاطر کہ وہ ضعاف پر اعتماد کرتے تھے۔

د: اس سے مراد ضعف في الحديث هو بمعنى الوضع و الإفتراء و الكذب ۔ مذکورہ عبارت یعنی فلان ضعیف تب تضعیف مطلوب پر دال ہوگی کہ اس سے احتمالِ اخیر مراد ہو اور یہ کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔

۳۔ تضعیف صریحًا یا لازمًا عبارات سے مستفاد ہو لیکن خاص منشاء سے ہو یہ دو قسم پر ہے:

الف: اعتقاد کے لحاظ سے، جیسے کسی کے فطحي يا بتري يا واقفي ہونے کی تصریح ہو

ب: جو اس کے سلوک سے مربوط ہو لیکن اس کے قول کی حجت سے

Presented by Ziaraat.Com

اس کا کوئی ربط نہ ہو، جیسے بعض کو حیوانات سے تشبیہ دی جاتی ہے جیسا کہ علی ابن ابی حمزہ بطائنی کے بارے میں وارد ہے یا علی انت و اصحابك اشباه الحمير وغيره

اس طرح کی تعبیرات تضعیفِ مطلوب کو ثابت نہیں کر سکتی ۔ یہ الفاظ اگر چہ ذم وقدح پر دال ہیں لیکن وہ تضعیف ان سے ثابت نہیں ہو سکتی۔

۴۔ وہ جو تضعیف احتمالی کا افادہ کرے جیسے راوی کا مجہول و مہمل ہونا، لیکن یہ تعبیر بھی تضعیف پر دال نہیں ہے۔

فائدہ ۱:

علامہ شیخ عبداللہ مامقانی نے مقباس الہدایۃ فائدہ سادسہ میں فرمایا ہے کہ کتب فقہیہ میں رجال کے بارے جرح میں تسرّع (جلدی) کی جاتی ہے ۔ فقہاء تضعیفِ رجال میں بڑے شوق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ اسے احتیاط في الدين کے طور پر کرتے ہیں، مثلاً کاشف الرموز نے محمد بن عیسیٰ الیقطینی کی طرف وقف کی نسبت دی ہے حالانکہ کتب رجال وفقہ میں یہ بات کہیں بھی نہیں پائی جاتی اور نہ یہ بات ان کے بارے معقول ہے چونکہ وہ امام رضا علیہ السلام اور امام جواد علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے جبکہ وقف کا تعلق امام کاظم علیہ السلام سے تھا۔

فائدہ ۲:

اکثر سندِ روایت میں قدح اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ رجالِ فطحیہ پر مشتمل ہوتی ہے، یعنی وہ جو عبداللہ الافطح بن امام صادق علیہ السلام کی امامت کے قائل تھے۔ کشی نے درج ذیل افراد کو فطحی شمار کیا ہے:

محمد بن الوليد الخزّاز ، معاوية بن الحكيم ، مصدّق بن

Presented by Ziaraat.Com

صدقة ، محمد بن سالم بن عبد الحميد ، عبد الله بن بكير ، حسن بن علي بن فضّال ، عمّار بن موسى الساباطي ، علي بن السباط ، بني حسن بن علي بن فضال یعنی علی اور اس کے دونوں بھائی، یونس بن یعقوب وغیرہ۔

ہشام بن سالم کی روایت کے مطابق ان الفطحية رجعوا عن مقالتهم إلا طائفة منهم عمار و اصحابه۔ شیخ طوسیؒ نے استبصار میں کہا: ان عمار هذا ضعيف فاسد المذهب لا يعمل على ما يختص بروايته۔ عمار ساباطی ضعیف، فاسد المذہب ہے جس روایت میں وہ تنہا ہوں اُس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ لیکن علامہ طباطبائی (سید بحر العلوم) نے اس بارے مناقشہ کیا ہے کہ یہ اگرچہ فطحیہ تھے فاسد المذهب تھے لیکن سب ثقات تھے، روایت میں معتمد علیہم تھے، امّا عمّار فمجمعٌ على توثيقه و فضله و فقاهته و قبول روايته و له كتاب كبير جيد معتمد عليه۔ یعنی عمار ساباطی کی وثاقت پر اس کے فضل وفقاہت پر اور اس کی روایات کی قبولیت پر اجماع قائم ہے۔ شیخ نے تہذیب میں کہا: انه ثقة في النقل لا يطعن عليه فيه۔ محقق نے معتبر میں کہا: انّ الاصحاب عملوا بروايته و حكي عن الشيخ انه قال في غير موضع من كتبه ان الإمامية مجمعة على العمل برواية السكوني و عمار و من ماثلهما من الثقات ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ نے استبصار میں جو کہا اس سے مراد وہ مورد ہے جہاں روایت عمار کے مقابل صحیح السند معارض موجود ہو جیسا کہ عدۃ الاصول میں شیخ کے کلام سے مستفاد ہے۔ ابو عمرو کشی کہتے ہیں: قال محمد بن مسعود العياشي ، عبد الله بن بكير و جماعة من الفطحية هم فقهاء ، اصحابنا و عد منهم عمار بن موسى الساباطي و بني

Presented by Ziaraat.Com

الحسن بن فضال، علیا و اخوته ، احمد بن الحسن و محمد بن الحسن ۔

شیخ مفید نے بھی رسالہ ہلالیہ میں عمار کو از اصحاب اصول معروفہ قرار دیتے ہوئے انہیں من جملة الفقهاء و الرؤساء الاعلام الماخوذ عنهم الحلال و الحرام و لا مطعن عليهم و لا طريق إلى ذم واحد منهم قرار دیا ہے۔

نجاشی نے کہا: عمار بن موسی و اخواه قيس و صباح روا عن ابي عبدالله علیہ السلام و ابی الحسن علیہ السلام ثقاة في النقل و لم يتعرض لذكر مذهبه ، علامہ طباطبائی اس سے استظہار کرتے ہیں کہ عمار بھی دوسرے فطحیہ کی طرح حق کی طرف لوٹ آئے تھے۔ نیز استدلال کیا اس پر اس سے جو کشی نے کتاب الرجال میں روایت کیا باسناده عن متروك عن ابي الحسن علیہ السلام قال و استوهبت عمار الساباطي من ربّه فوهب لی۔

فائدہ ۳:

قولهم صحيح الحديث ، عند القدماء هو ما وثقوا بكونه من المعصوم علیہ السلام اعم من ان يكون الراوی ثقة او لامارات اخر يقطعون او يظنون بها صدوره عنه علیہ السلام۔ قدماء کسی راوی کے بارے صحیح الحدیث کہتیں تو یہ اس کی روایت کے معصوم سے صدور کی توثیق ہے یعنی اس کی روایت موثوق الصدور ہے۔

شیخ بہائی مشرق الشمسین میں فرماتے ہیں: في اقسام الخبر و ما يكون به صحيحا و هذا الاصطلاح لم يكن معروفا بين قدمائنا بل كان المتعارف بينهم إطلاق الصحيح على كل حديث يعتضد بما يقتضي اعتماد هم عليه او اقترن بما يوجب الوثوق به و الركون اليه ۔یعنی قدماء کے نزدیک صحیح کی اصطلاح سے مراد اس کی روایت کا موثوق الصدور ہونا ہے۔ و قال

Presented by Ziaraat.Com

الكاظمي في التكملة ج ۱ ص ۵۰ ، اعلم ان الصحة في لسان القدماء يجعلونها صفة لمتن الحديث على خلاف اصطلاح المتاخرين حيث يجعلونها صفة للسند و يريدون به ما جمع شرائط العمل اما من كونه خبر ثقة كما هو في اصطلاح المتاخرين ۔یعنی قدماء کی اصطلاح میں صحت سے مراد متن حدیث کی صفت ہے جبکہ متاخرین کے نزدیک یہ سند کی صفت ہے، پس حدیث صحیح نزد قدماء وہ ہے کہ جس میں شرائط عمل موجود ہوں چاہے وہ رواۃ کے ثقہ ہونے کے ذریعے سے ہوں یا کسی اور قرینہ سے۔

مجلسی اول روضة المتقين ج ۱۴، ص ۱۰ پر فرماتے ہیں: و الظاهر من طريقة القدماء سيما اصحابنا ان مراد هم بالصحيح ما علم وروده من المعصوم ۔یعنی قدماء کے نزدیک صحیح وہ حدیث ہے کہ جس کا صدور معصوم سے معلوم ہو۔شہید ثانی الرعایۃ میں فرماتے ہیں: کسی کو صحیح الحدیث کہنا یقتضی كونه ثقة ضابطا ففيه زيادة تزكية ۔سید داماد الرواشح السماوية میں اسی کے قائل ہیں۔ (راشحہ ۱۲)

فائدہ ۴:

قولهم لا باس به اي بمذهبه او روايته ،ظاہراً مراد یہ ہے کہ انه لا باس به بوجه من الوجوه ہے،یعنی کسی لحاظ سے کوئی ڈر نہیں ہے۔اسی وجہ سے بعض نے اسے توثیق قرار دیا ہے جیسا کہ شہید ثانی نے الرعایۃ ص ۲۵ پر فرمایا: لا باس به بمعنى انه ليس بظاهر الضعف ،یعنی لا باس یہ کا مطلب یہ ہے کہ ظاہراً ضعف نہیں ہے۔ص ۲۰۷ پر فرمایا: و اما نفي الباس عنه فقريب من الخير و لكن لا يدل على الثقة بل من المشهور ان نفي الباس يوهم الباس ،کسی راوی کے بارے لا

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

باس بہ کہنا اس کے نیک ہونے پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کی توثیق نہیں ہے بلکہ مشہور کے نزدیک یہ کلمہ کسی راوی میں گڑبڑ کا توہم دیتا ہے۔ محقق نے حاشیۃ الرعایۃ ابن معین سے نقل کیا ہے اذا قلت لیس به باس فهو ثقة۔ میر داماد نے لا باس به کو در ضمن الفاظ توثیق و مدح شمار کیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ کلمہ مدح کا افادہ کرتا ہے۔

فائدہ ۵:

قولهم وجه ، عین ، یہ دو کلمے بھی کافی حد تک مدح کا افادہ کرتے ہیں۔ بعض نے انہیں توثیق شمار کیا ہے جیسا کہ روضۃ المتقین ج ۱۴ ص ۴۵ پر فرمایا ہے:

بل الظاهر ان قوله وجه توثيق ۔الفصول الغرویۃ میں ہے: منها قولهم عين او وجه او وجه من وجوه ، اصحابنا و الاظهر انه يفيد مدحا يصح الاعتماد معه على روايته لا سيما الاخير ۔شیخ بہائی نے مشرق الشمسین میں کہا:

انهم يريدون بقولهم ان فلانا ثقة انه عدل ضابط لان لفظة ثقة مشتق من الوثوق و لا وثوق بمن تساوي سهوه و ذكره او يغلب سهوه على ذكره و هذا هو السرّ في عدولهم عن قولهم عدل اي قولهم ثقة ، جب رجالی کسی کے بارے میں ثقہ کہتے ہیں تو ان کی مراد عدل، ضابط ہوتا ہے چونکہ ثقہ وثوق سے مشتق ہے اور جس کا سہو اس کی یادداشت سے زیادہ ہو یا اس کے برابر ہو وہ قابل وثوق نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے وہ عدل کہنے کے بجائے ثقہ کہہ دیتے ہیں ۔

لیکن مقدس اعرجی یہ نہیں مانتے ، وہ کہتے ہیں کہ قدماء ثقہ کو عدل کے معنی میں استعمال نہیں کرتے تھے۔ (عدۃ الرجال)

قیمة التوثیقات

توثیق یا متقدمین سے صادر ہے یا متاخرین سے:

۱۔ **توثیق المتقدمین**: متقدمین سے مراد راویوں کے معاصر ہیں یا ان کے قریب العہد ہیں اس حیثیت سے کہ ان کی **شهادة بالوثاقة** اجتہاد و حدس کی محتاج نہ ہو۔ یہ مثل شیخ مفید، شیخ طوسی، ابن قولویہ، علی بن ابراہیم قمی، نجاشی و برقی وغیرہم ہیں۔ ان میں سب سے آخر میں وفات پانے والے شیخ طوسی تھے (متوفی ۴۶۰ھ)۔ ان متقدمین کی توثیقات قابل قبول ہیں۔ آقائے خوئی مرحوم فرماتے ہیں:

و مما تثبت به الوثاقة او الحسن ان ينصّ على ذلك احد الاعلام كالبرقي و ابن قولويه و الكشي و الصدوق و المفيد و النجاشي و الشيخ و اضرابهم و هذا ايضا مما لا اشكال فيه و ذلك من جهة الشهادة و حجيّة خبر الثقة۔

(معجم رجال الحدیث، ج ۱، ص ۵۵)

کسی راوی کی وثاقت یا حسن اس سے بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اس کی تصریح ان افراد مذکورہ میں سے کسی نے کی ہو اور ان کے قول کو شہادت یا حجیت خبر ثقہ کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔

۲۔ **توثیق المتاخرین (عن الشیخ)**: اس سے مراد علامہ، شیخ منتجب الدین، ابن شہر آشوب (صاحب معالم العلماء، ابن طاؤس، مجلسین وغیرہم ہیں۔ ان کی توثیقات اگر غیر معاصرین کے حق میں ہوں تو اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ اجتہاد و حدس پر مبنی ہوں گی اور اگر قول رجالی کی حجیت از باب شہادت ہو تو اس میں عن حسّ (یعنی محسوس کیا ہو دیکھنے وغیرہ کے ذریعے) ہونا شرط ہے۔ متاخرین کی

Presented by Ziaraat.Com

توثیقات حدس ہے ان کا جو انہوں نے شیخ وغیرہ کی عبارات سے لگایا ہے۔ علامہ نے اجازہ بنی زہرہ میں جو کہا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے جمیع طرق شیخ طوسی پر منتہی ہوتے ہیں۔

ہاں اگر قولِ رجالی کی طرف رجوع از باب رجوع إلی اهل الخبرة (یعنی اہل خبرہ کی طرف رجوع) ہو تو ان میں عن حسّ ہونا شرط نہیں ہے۔ ایسی صورت میں متاخرین ماہرین کی توثیقات کی طرف رجوع مما لا باس به (یعنی رجوع میں کوئی ڈر نہیں) ہے۔ بشرطیکہ انہیں خبرۃ کہہ سکیں جو کہ مشکل ہے۔ چونکہ انہوں نے وہی کتابیں دیکھی ہیں جو سابقین نے دیکھیں تھیں۔ ایک اور وجہ بھی قبولِ توثیقاتِ متاخرین کیلئے ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ حجیتِ خبر 'موثوق بالصدور کے لئے ثابت ہے نہ خصوص خبر ثقہ کے لیے، یعنی مناط وثاقة الرجل نہیں ہے اگرچہ خبر موثوق الصدور نہ ہو۔ ہوسکتا ہے راوی ثقہ ہو لیکن قرائن شاہد ہوں کہ روایت معصوم سے صادر نہیں ہوئی ثقہ پر امر ملتبس و مشتبہ ہوا ہے۔

لیکن اگر خبر کا مناط موثوق الصدور ہونا ہو تو وثاقة الراوی اس پر ایک امارہ ہے لیکن قرائن صدقِ خبر پر دال ہوں تو اس کا اخذ جائز ہے۔ اس قول پر سیرۂ عقلاء بھی دال ہے۔ اس بناء پر اگر متاخرین کی توثیقات موجب ہوں وثوق بصدور الخبر کی تو ان پر اعتماد جائز ہے۔ (آقائے جعفر سبحانی، کلیات الرجال، ص ۱۵۶)

۳۔ **توثیق المعصوم** علیہ السلام: یہ اعلیٰ مراتب توثیق ہے اگر ثابت ہو جائے۔ اس کا اثبات وجدان یا روایت معتبرہ پر موقوف ہے اور روایت معتبرہ کثرت سے موجود ہے۔ لیکن روایتہ ضعیفہ سے اس کا اثبات یا خود اسی راوی کی روایت سے اس کا اثبات مشکل و غریب ہے جیسا کہ محدث نوری نے ترجمہ عمران بن عبداللہ القمی میں

Presented by Ziaraat.Com

کہا: روی الکشی خبرین منهما مدح عظیم لا یضر ضعف سندها بعد حصولِ الظن منها۔ (معجم رجال الحدیث، ج۱، ص۵۳)

۴۔ **دعوی اجماع از طرف اقدمین**: اگر قدماء میں سے کوئی کسی راوی کی وثاقت پر اجماعِ منقول کا دعوی کرے تو اس سے وثاقت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ مدعی اجماع کی اپنی طرف سے توثیق سے کمتر نہیں ہے، جیسا کہ ابراہیم بن ہاشم والد علی بن ابراہیم قمی کے حق میں اجماعِ منقول کا دعوی ہوا ہے جیسا کہ ابن طاؤس نے کہا ہے۔

توثیق مشائخ اجلزہ

اس فن کے اجلاء نے تصریح کی ہے کہ حال مشائخ ثلاثہ و اشباہم کے لئے مراجعہ کتب رجال کی ضرورت نہیں ہے۔ شہید ثانی درایہ میں فرماتے ہیں: تعرف العدالة المعتبرة في الراوي بتنصيص عدلين عليها او بالاستفاضة بان تشتهر عدالته بين اهل النقل و غيره من اهل العلم كمشائخنا السالفين من عهد الشيخ محمد بن يعقوب الكليني و ما بعده إلى زماننا هذا لا يحتاج احد من هولاء المشائخ المشهورين إلى تنصيص على تزكية و لا تنبيه على عدالته كما اشتهر في كل عصر من ثقتهم و ضبطهم و ورعهم زيادة على العدالة ... ۔ جو عدالت راوی میں معتبر ہے اس کا پتہ دو عادل افراد کی گواہی سے چلے گا یا اہل علم کے درمیان مشہور ہو جیسا کہ ہمارے شیخ کلینیؒ کے دور سے بزرگ علماء اسی طرح تھے، ان بزرگوں میں سے کسی کو کسی کی توثیق و تزکیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ان مشائخ کا کتب رجال میں مذکور نہ ہونا اس وجہ سے نہیں کہ یہ مجہول تھے یا

Presented by Ziaraat.Com

ان کی شان کا اہتمام نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ ان کی کوئی تصنیف نہیں تھی اور کتب رجال عموماً ذکر مصنفین پر اکتفاء کرتی ہیں اور ان کی تصانیف تک کے طرق کو بیان کرتی ہے۔

اس باب سے ہے: رواية الشيخ عن ابي الحسين بن ابي جيد ، و رواية المفيد عن احمد بن محمد بن الحسن الوليد ، و رواية الصدوق عن محمد بن علي ماجيلويه و احمد بن محمد بن يحيى العطار و قال العلامة يحكم بصحة السند المشتمل على امثال هؤلاء۔ شیخ بہائی نے مشرق الشمسین میں ایسے بزرگان کا ذکر کیا ہے جو مشائخ ہیں لیکن کتب رجال میں ان کا ذکر نہیں ہے جیسے احمد بن محمد بن حسن بن الوليد ، احمد بن محمد بن يحيى العطّار، حسين بن حسن بن ابان، ابو الحسين علي بن ابي جيد لنا ظنّ بحسن حالهم و عدالتهم۔ سید میر داماد نے بھی الرواشح السماویۃ میں فرمایا: انّ للصدوق اشياخا كلما سمى واحد منهم في سند الفقيه قال رضي اللّٰه كجعفر بن محمد بن مسرور فهؤلاء إثبات اجلّاء و الحديث من جهتهم صحيح نصّ عليهم بالتوثيق ام لم ينصّ۔

مثال کے طور پر وسائل الشیعۃ باب ۱۱ ابواب الوضوء، حدیث ۱: ما نصه محمد بن الحسن (الشيخ الطوسي) باسناده عن الحسين بن سعيد عن حماد بن عيسى عن حريز عن زرارة عن ابي جعفر قال لا صلوة إلا بطهور۔ اس روایت کی سند دیکھنے کیلئے ضروری ہے پہلے شیخ کی سند حسین بن سعید اہوازی تک دیکھیں صحیح ہے یا نہیں؟ مشیخہ تہذیب ج ۱۰، ص ۶۳ پر یہ سند دو طریق سے یوں بیان ہوئی ہے: قال و ما ذكرته في هذا الكتاب عن الحسين بن سعيد

Presented by Ziaraat.Com

فقد اخبرني به الشيخ ابو عبد الله محمد بن النعمان (الشيخ المفيد) و الحسين بن عبد الله (الغضائري استاذ الشيخ الطوسي) و احمد بن عبدون كلّهم عن احمد بن محمد بن الحسن بن الوليد عن ابيه محمد بن الحسن بن الوليد، و اخبرني به ايضا ابو الحسن ابن ابي جيّد القمي عن محمد بن الحسن بن الوليد عن الحسين بن الحسن بن ابان عن الحسين بن سعيد ۔

ان دونوں طریق میں سند محمد بن الحسن بن الولید پر ختم ہوتی ہے۔ پہلے طریق میں احمد بن محمد بن الحسن بن الولید ہے اور اس احمد کے بارے توثیق خاص وارد نہیں ہوئی ۔ ہاں ! یہ شیخ اجازہ ہے اگر اوپر والی بات تسلیم کر لی جائے کہ ان مشائخ کو توثیق کی ضرورت نہیں تو شیخ کی یہ سند حسین بن سعید تک درست ہو جائے گی۔ اسی طرح دوسرے طریق میں ابن ابی جید ہیں ان کی بھی توثیق خاص وارد نہیں ہے لیکن مشائخ میں سے ہیں ۔آپ نجاشی کے شیخ ہیں اور مشائخ اجازہ کی توثیق باب توثیقات میں ذکر کریں گے۔

اب اگلہ مرحلہ ہے اس کے بعد والی سند کا اور اس میں حسین بن حسن بن ابان ہے جس کی وثاقت ثابت نہیں ہے۔لیکن شیخ طوسی نے فہرست میں حسین بن سعید تک ایک اور طریق ذکر کیا ہے: اخبرنا بها عدة من اصحابنا عن محمد بن علي بن الحسين عن ابيه و محمد بن الحسن و محمد بن موسى بن المتوكل عن سعد بن عبد الله و الحميري عن احمد بن محمد بن عيسى عن الحسين بن سعيد، اور یہ طریق صحیح ہے سب رواۃ ثقہ واجلاء ہیں محمد بن علی تین اشخاص سے روایت کر رہے ہیں ان میں سے دو یعنی ان کے والد اور محمد بن حسن بن

Presented by Ziaraat.Com

الولید ثقہ ہیں اور حسین بن سعید کے بعد حماد بن عیسی وحریز بجستانی وزرارۃ ہیں کہ تینوں ثقہ واجلاء ہیں اور خود حسین بن سعید اہوازی ثقہ و بزرگان میں سے ہیں۔

ایک ضمنی بحث

اکثر رجالی قولِ رجالی کو از باب شہادت شمار کرتے ہیں۔ اب ان میں یہ بحث ہے کہ تزکیۂ راوی میں آیا شہادۃ عدلِ واحد کافی ہے یا نہیں؟ مشہور بین المتاخرین یہ ہے کہ ایک کافی ہے۔ لیکن بعض جیسے محقق اول و صاحب منتقی الجمان (صاحب المعالم) تعدد کو ضروری سمجھتے ہیں۔ صاحب المنتقی نے کہا: راوی میں عدالت کی شرط تقاضا کرتی ہے کہ اس کی عدالت کا علم ضروری ہے اور تزکیہ واحد مفید علم نہیں ہے اور دو عدل پر اکتفاء صحیح ہے اگرچہ یہ بھی مفید علم نہیں ہے لیکن یہ شرعاً قائم مقام علم ہے۔

یہ استدلال تو درست ہے لیکن دوسری طرف سے قولِ عادل یا خبر ثقہ کی حجیت بطور مطلق ثابت ہے یعنی احکام میں بھی اور موضوعات میں بھی۔ احکام میں اسے روایت کہتے ہیں اور موضوعات میں شہادت۔ ظاہر ادلہ یہ ہے کہ قولِ عدل یا ثقہ حجت ہے سوائے اس مورد کے جو خَرجَ بالدلیل ہو جیسے مرافعہ وہلال کہ روایات میں ان موارد میں تعدد کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ اور موضوعات میں حجیت خبر ثقہ کی دلیل عقلاء کا قطعی سیرہ ہے جس سے شارع نے ردع نہیں کیا۔ اس سیرہ کے علاوہ روایات بھی اس پر دال ہیں، جیسے المؤذن، مؤتمن وغیرہ۔

التوثیقات

توثیق یا خاص ہے یا عام: توثیق خاص میں کسی ایک شخص کے بارے توثیق ہے جیسا کہ رجالی رواۃ کی توثیق ذکر کرتے ہیں یا معصوم کسی راوی پر نص فرمائیں کہ فلان ثقہ جیسا کہ یونس بن عبدالرحمان و زرارۃ وغیرہ کے بارے اس طرح کی توثیق

Presented by Ziaraat.Com

خاص وارد ہے۔ توثیق عام کا مطلب یہ ہے کہ ایک عنوانِ کلی کے بارے توثیق وارد ہو جو متعدد افراد کو شامل ہو جائے۔ یہ درج ذیل عناوین ہیں:

۱۔ اصحاب الإجماع ۲۔ مشائخ الثقات

۳۔ العصابة التي لا يروون إلا عن ثقة. ۴۔ رجال اسانيد نوادر الحكمة

۵۔ رجال اسانيد كامل الزيارة ۶۔ رجال اسانيد تفسير القمي

۷۔ اصحاب الصادق عليه السلام ۸۔ شيخوخة الإجازة

۹۔ الوكالة عن الإمام ۱۰۔ كثرة تخريج الثقة عن الشخص

۱۱۔ مشائخ النجاشي ۱۲۔ وقوع بني فضّال في السند

۱۔ اصحاب الاجماع

ان طرق میں سے یہ سب سے اہم مورد ہے اور علم رجال کی بھی یہ اہم ترین بحث ہے۔ اس کی اصل کیا ہے؟ یہ اصحاب کتنے افراد ہیں اور مراد کیا ہے؟ یہ چند امور اس میں قابل بحث ہیں:

۱۔ ما هو الاصل في ذلك :

اس میں اصل وہ ہے جو کشی نے اپنے رجال میں نقل کیا ہے، تین عبارات ہیں:

۱۔ تسمية الفقهاء من اصحاب ابي جعفر و ابي عبد الله عليهما السلام اجتمعت العصابة على تصديق هؤلاء الاولين من اصحاب ابي جعفر و اصحاب ابى عبد الله عليهما السلام و انقادوا لهم بالفقه، فقالوا : افقه الاولين ستة : زرارة و معروف بن خربوذ و بريد و ابو بصير الاسدى و الفضيل بن اليسار و محمد بن مسلم

Presented by Ziaraat.Com

الثقفي، قالوا : الفقه الستة زرارة و قال بعضهم مكان ابی بصير الاسدی ابو بصير المرادی و هو ليث بن البختری۔ (ص۲۰۶)

اصحاب امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام میں سے فقہاء کے نام: ان درج ذیل اصحاب کی تصدیق پر جماعت شیعہ کا اجماع ہے اور ان کی فقہ پر سر تسلیم خم ہیں۔ ان میں سے فقیہ ترین چھ ہیں: زرارہ، معروف بن خربوذ، ابوبصیر الاسدی، فضیل بن یسار، محمد بن مسلم اور برید۔ ان میں سے زرارہ فقیہ ترین ہیں۔ بعض نے ابوبصیر الاسدی کی جگہ ابوبصیر المرادی کہا ہے جو کہ لیث بن البختری ہیں۔

۲۔ تسمية الفقهاء من اصحاب ابي عبد الله ؑ اجمعت العصابة على تصحيح ما يصح عن هؤلاء و تصديقهم لما يقولون و اقرّوا لهم بالفقه من دون اولئك الستة الذين عددناهم و سميناهم و هم ستة نفر جميل بن درّاج و عبد الله بن مسكان و عبد الله بن بكير و حمّاد بن عثمان و حماد بن عيسى و ابان بن عثمان، قالوا و زعم ابو إسحاق الفقيه و هو ثعلبة بن ميمون ان افقه هؤلاء جميل بن درّاج و هم احداث اصحاب ابي عبد الله ؑ۔

(ص۳۲۲، احداث یعنی جوان)

امام صادق ؑ کے اصحاب میں سے فقہاء کے نام: جماعت شیعہ کا اجماع ہے کہ جو درج ذیل اصحاب سے حدیث صحیح ہو اس کو صحیح کہیں اور جو وہ کہیں اس کی تصدیق کریں اور ان کے فقیہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ ان سابقہ چھ افراد سے رتبہ میں کم ہیں۔ یہ بھی چھ افراد ہیں: جمیل بن درّاج، عبد اللہ بن

Presented by Ziaraat.Com

مسکان، حماد بن عثمان، حماد بن عیسیٰ، ابان بن عثمان، عبداللہ بن بکیر۔ جمیل ان میں سے فقیہ ترین ہیں۔

۳۔ تسمية الفقهاء من اصحاب ابي إبراهيم و ابي الحسن عليهما السلام اجمع اصحابنا على تصحيح ما يصح عن هؤلاء و تصديقهم و اقرّوا لهم بالفقه و العلم و هم ستة نفر آخر دون ستة نفر الذين ذكرناهم في اصحاب ابي عبد الله عليه السلام منهم يونس بن عبد الرحمن و صفوان بن يحيى بيّاع السابري و محمد بن ابي عمير و عبد الله بن المغيرة و الحسن بن المحبوب و احمد بن محمد بن ابي نصر و قال بعضهم مكان الحسن بن محبوب الحسن بن علي بن فضّال و فضالة بن ايوب و قال بعضهم مكان فضالة بن ايوب عثمان بن عيسى و افقه هؤلاء يونس بن عبد الرحمن. (رجال الكشي، رقم ۱۰۵۰)

اصحاب امام موسیٰ کاظم اور امام رضا علیہما السلام میں سے فقہاء کے نام: ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ جو ان سے صحیح ہو اسے صحیح سمجھیں اور ان کی تصدیق کریں اور ان کے فقہ وعلم کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بھی چھ افراد ہیں۔ یہ ان سابقہ افراد سے کم رتبہ ہیں: یونس بن عبدالرحمٰن، صفوان بن یحیی، محمد بن ابی عمیر، عبد اللہ بن مغیرہ، حسن بن محبوب، احمد بن محمد بن ابی نصر۔ بعض نے حسن بن محبوب کی جگہ حسن بن علی بن فضال کہا ہے یا فضالہ بن ایوب۔ ان میں سے یونس فقیہ ترین ہیں۔

ان افراد کو اصحاب اجماع کہنا ایک جدید اصطلاح ہے جو متاخرین میں رائج

Presented by Ziaraat.Com

ہوئی جبکہ کشی کی تینوں عبارات میں تسمیة الفقهاء آیا ہے یعنی انہوں نے انہیں الفقہاء کہا ہے۔

۲۔اما عدد اصحاب الاجماع

کشی نے پہلے چھ میں فرمایا: بعض نے ابوبصیر اسدی کی جگہ ابوبصیر مرادی کہا ہے۔ گویا ان میں سے پانچ موردِ اتفاق ہیں، دوسرے چھ کے چھ موردِ اتفاق ہیں اور طبقہ ثالثہ سے بھی پانچ موردِ اتفاق ہیں۔ بعض نے حسن بن محبوب کی جگہ پر حسن بن علی بن فضال کہا ہے اور فضالہ بن ایوب کہا اور بعض نے فضالہ بن ایوب کی جگہ عثمان بن عیسی کہا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ان میں سے ۱۶ افراد موردِ اتفاق ہیں اور دو کا اختلاف کشی نے ذکر کیا ہے۔ یہ کل اٹھارہ ہوئے اور بعض نے چار اور ذکر کیے یہ کل ۲۲ افراد ہوئے۔

محدث نوری نے مستدرک الوسائل ج ۴ فائدہ سابعہ میں کہا: یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر طبقہ میں چھ افراد ہوں، ہوسکتا ہے بعض بعض کے بارے جان سکے ہوں اور دوسرے بعض نے دوسروں کے بارے جانا ہوں لہٰذا سب موردِ اجماع ہونگے۔ سید بحر العلوم نے بھی ابوبصیر مرادی کو ستة اولی میں قرار دیتے ہوئے اسے اصح کہا ہے اور پہلے قول کو شاذ کہا ہے۔

۳۔اس اجماع کے بارے اصحاب کی نظر

محدث نوری نے فائدہ سابعہ میں یہ کلمات ذکر کئے ہیں:

۱۔ سب سے پہلے کشی نے یہ اجماع نقل کیا ہے۔ آپ قرنِ رابع کے علماء میں سے شیخ کلینی کے معاصر تھے اور عیاشی صاحب تفسیر کے شاگرد تھے۔

۲۔ کشی کے بعد شیخ طوسی از علماء قرنِ خامس (م ۴۶۰ ھ) نے یہ اجماع نقل کیا ہے۔ انہوں نے رجال کشی کی تہذیب کی، اس میں بھی ہے اور عدة الاصول میں

Presented by Ziaraat.Com

فرمایا:

سوّت الطائفة بين ما رواه محمد بن ابي عمير و صفوان بن يحيى و احمد بن محمد بن ابي نصر و غيرهم من الثقات الذين عرفوا بانّهم لا يروون و لا يرسلون إلّا ممن يوثق به و بين ما اسندهم غيرهم و لذلك عملوا بمراسيلهم إذا انفرد عن رواية غيرهم۔

جماعت شیعہ صحیح سمجھتی ہے اسے جسے ابن ابی عمیر، صفوان اور بزنطی جیسے ثقہ افراد روایت کریں جن کے بارے معروف ہے کہ یہ نہ روایت کرتے اور نہ ارسال کرتے ہیں مگر ثقہ سے۔ اسی وجہ سے ان کے مرسلات پر بھی عمل کرتے ہیں جب یہ اس کی روایت میں منفرد ہوں۔

ان تین کے ساتھ اس بات میں یہی اصحاب اجماع ہی مشترک ہیں (لیکن العدۃ کی عبارت کا یہ مطلب نہیں جو محدث نوری نے فرمایا ہے کما سیاتي)۔

۳۔ ابن شہر آشوب از علماءِ چھٹی صدی (م ۵۸۸) انہوں نے کشی کی عبارت ذکر کی ہے اور اسے قبول کیا ہے۔

۴۔ علامہ حلی از علماء آٹھویں صدی (م ۷۲۶)، آپ نے کشی کی بات خلاصہ میں متعدد موارد میں ذکر کی ہے۔

۵۔ ابن داؤد از علماءِ آٹھویں صدی، آپ اپنے رجال میں فرماتے ہیں: **اجمعت العصابة على ثمانية عشر رجلا فلم يختلفوا في تعظيمهم غير انهم يتفاوتون ثلاثة درج ...(رجال ابن داؤد، خاتمة قسم الاول الفصل الاول)**

Presented by Ziaraat.Com

۶۔ شہید اول (استشہد ۷۸۶) بھی غایۃ المراد میں کشی کی عبارت کا حوالہ دیتے ہیں۔

البتہ ساتویں صدی کے علماء میں سے کسی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا، جیسے ابن زہرہ، ابن نما، ابن طاؤس، محقق اول و ابن سعید۔ نویں صدی کے فاضل مقداد و ابن فہد حلی نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ ہاں شہید ثانی از علماء دسویں صدی کے علماء میں سے شرح درایہ میں تعریف صحیح میں اس اجماع کا حوالہ دیتے ہیں اور شرح لمعہ کتاب الطلاق میں اس کا ذکر کیا ہے۔ بعد کے سب فقہاء نے اسے قبول کیا ہے لیکن واضح ہے کہ سب نے کشی ہی کے حوالے سے اسے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا یہ چیز اس کے اعتبار میں مزید اضافے کا باعث نہیں بنے گی۔

۴۔ مذکورہ بالا اجماع کی حجیت کی وجہ

اجماع منقول بخبر واحد آیا حجت ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا حجت ہے اور ادلہ حجیت خبر واحد اسے شامل ہیں۔ لیکن شیخ انصاریؒ اور دوسرے علماء نے اسے رد کر دیا چونکہ ادلہ حجیت خبر واحد خاص ہیں اس خبر کے ساتھ جو قول معصوم کو عن حس نقل کرے جبکہ ناقل اجماع اسے عن حدس نقل کرتا ہے۔ لہٰذا یہ اشکال مشترک ہے تمام اجماعاتِ منقولہ پر کہ ناقل، سبب یعنی اتفاق الکل کو نقل کرتا ہے۔ اما مسبب یعنی قول امامؑ تو وہ حدسًا ہوتا ہے نہ حسًا۔ اور ظاہراً ابو عمرو الکشی نے بھی تمام عصابہ کے اجماع کا تفحص نہیں کیا بلکہ معدود آراء کو ملاحظہ کیا ہے جو کہ اتفاقِ کل سے ملازمہ نہیں رکھتی۔

اس اجماع پر ایک اور اشکال بھی ہے کہ اجماع منقول کی حجیت بالفرض اگر مان بھی لیں تو بھی یہ صرف حکم شرعی کے متعلق ہو تو حجت ہوتا ہے نہ کہ موضوع پر اجماع محصل ہو تب بھی حجت نہیں چہ جائیکہ منقول ہو۔ اس اجماع کشی پر مندرجہ بالا دو اشکال

Presented by Ziaraat.Com

کیے جاسکتے ہیں۔

اشکالِ اوّل کا جواب

دیکھنا یہ ہے کہ ان اٹھارہ افراد کے بارے جو کشی نے کہا ہے اس سے مراد کیا ہے۔ اگر مراد یہ ہو کہ ان اعلام کی نقل و حکایت میں تصدیق ہے جو کہ ان کی وثاقت کے ملازم ہے **کما ھو الظاھر کما سیاتی** تو ان کی وثاقت کیلئے اتفاقِ کل کی اصلاً ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک شخص کی توثیق بھی کافی ہے جس پر کشی **عن حسّ** واقف ہوئے ہیں اور یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے کہ اس پر کشی کو حدس سے متہم کریں بلکہ یقیناً کشی نے ایک سے زیادہ تصریحات و توثیقات **عن حسّ** درک کی ہوں گی۔

ہاں اگر کشی کی عبارت سے مراد یہ ہو کہ عصابہ کا اجماع ہے ان اعلام کی روایات کی **تصحیح بالمعنی المصطلح عند القدماء** پر قرائن خارجیہ سے استفادہ کرتے ہوئے تو پھر یہ اشکال وارد ہوگا چونکہ **علم بالصحة** تو امرِ حسی نہیں کہ ادلہ حجیت خبر واحد اسے شامل ہوں اور نہ سارے قرائن موجب علم از امور حسیہ ہیں اور مسبب یعنی ان اعلام کی روایات کی صحت حدسی امر ہے اور غالب قرائن حدسی ہیں۔

بعض نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ قولِ کشی اگرچہ اتفاقِ حقیقی کو ثابت نہیں کرتا لیکن ایک مجموعہ کبیرہ کے اتفاق کو **علی تصحیح ھؤلاء** پر ثابت کرتا ہے۔ چونکہ بعید ہے قدماء ایک دو افراد کی تصریح کو دیکھ کر اجماع کا دعویٰ کر دیں اور اتنی جماعت کا اتفاق ان کی روایات کی تصحیح پر ان کے بارے اطمینان کا فائدہ دیتا ہے اور اس دور میں اجتہاد و حدس قلیل تھا مسائل فقہیہ میں اساس و بنیاد حس و شہود ہی تھی لہٰذا ممکن ہے انہوں نے ایسے قرائن عامہ پر اعتماد کیا ہو جو مفید اطمینان ہوں جیسے کتاب کو امام پر پیش کرنا یا کسی اصل معتبر میں پانا یا اصول میں متکرر ہونا وغیرہا۔

Presented by Ziaraat.Com

لیکن یہ راہ حل صرف امکانات پر مبنی ہے اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا ورنہ فقیہ وتہذیب واستبصار کے مقدموں میں بھی صحتِ روایات کا دعوی موجود ہے انہیں بھی صحیح ماننا پڑے گا۔

اشکالِ دوم کا جواب

اس کا جواب واضح و آسان ہے چونکہ شمولِ ادلہ کیلئے حکم شرعی ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ **کون المخبر به مما یترتب علی نبوته اثر شرعی** (یعنی مخبر بہ ایسی چیز ہو کہ جس کے ثبوت پر اثر شرعی مترتب ہو) کافی ہے اور یہ چیز یہاں موجود ہے۔

۵۔ تصحیح ما یصح عنهم کا مفہوم

یہ وہ اہم بحث ہے جس کے بارے محدث نوری نے خاتمہ مستدرک میں مفصل بحث کی ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ ما یصح میں ما موصولہ سے کیا مراد ہے؟ آیا مراد روایت و حکایت بالمعنی المصدری ہے یا مراد مروی ونفس الحدیث ہے؟ یعنی آیا مراد ان کی حکایات کی تصدیق ہے یا ان کی مرویات کی تصدیق ہے؟ یعنی اجماع اس پر قائم ہے کہ ابن ابی عمیر مثلا اپنی حکایت وقول میں صادق ہیں کہ ابن اذینہ یا عبداللہ بن مسکان نے اس سے یہ بیان کیا ہے یا اجماع اس پر قائم ہے کہ اس کی حدیث صحیح ہے اور معصوم سے صادر ہے۔

یا یوں کہہ لیں آیا اجماع کا متعلق اس کی بلا واسطہ روایت ہے یعنی جو اس نے اپنے شیخ سے کی ہے یا اجماع اس کی مع الواسطہ روایت کی تصحیح پر قائم ہے یعنی اس حدیث کی صحت پر جو وہ امام سے مع الواسطہ نقل کر رہا ہے۔ یعنی معنی اول مراد ہو تو یہ ان کی توثیق کے ملازم ہے یعنی ان افراد کی تصحیح ان کی روایات و حکایات میں ملازمہ رکھتی ہیں ان کے ثقہ ہونے کے ساتھ۔

Presented by Ziaraat.Com

دوسرے معنی میں تین احتمالات ہیں:

۱۔ خود روایت کی صحت مراد ہے۔ اگر چہ مرسلہ او ضعیفہ ہو اور ضعیف راوی سے مروی ہو۔

۲۔ حدیث کی صحت مراد ہو اس وجہ سے کہ خود اصحاب اجماع ثقہ ہیں، یہ وہی معنی اول ہے۔

۳۔ حدیث صحیح ہے چونکہ خود اصحاب اجماع بھی ثقہ ہیں اور جن سے وہ روایت کریں تا امامؑ وہ سب ثقہ ہیں۔ یہاں تک کہ امام تک واصل ہو جائے۔ اس احتمالِ سوم کی بناء پر بہت بڑی تعداد از روایات موثق ہو جائے گی۔

معنی اول:

معنی اول کا احتمال صاحب وافی نے مقدمہ ثالثہ میں دیا ہے: انّ ما یصح عنهم هو الرواية لا المروي ،اس کی بناء پر یہ اجماع ان کی عدالت وصدق سے کنایہ ہوگا۔ صاحب ریاض کا ظاہر بھی یہی معنی ہے اور یہی درست ہے، چونکہ:

اوّلاً: کشی نے ان پہلے طبقہ کے بارے ایسی تعبیر ذکر نہیں کی بلکہ یہ کہا **اجتمعت العصابة على تصديق هؤلاء الاولين ... و انقادوا لهم بالفقه** ...اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا: **امر تصحيح ما يصح عنهم** سے اگر مرویات کی تصحیح ہوتی تو یہ عبارت ان کے حق میں بھی کہتے جبکہ یہ سب سے اعلیٰ طبقہ ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تصحیح سے مراد ان کے صدق کا حکم لگانا تھا جس کا لازمہ ان کی وثاقت ہے۔

و ثانیاً: بہت سے اعلام نے اس عبارت سے یہی معنی سمجھے ہیں جیسا کہ ابن

Presented by Ziaraat.Com

شہر آشوب ہیں۔ اسی وجہ سے وہ طبقہ ثانیہ کو ذکر کرتے ہوئے تصحیح ما یصح عنہم کی بجائے فرماتے ہیں: **اجتمعت العصابة علی تصدیق ستة اصحاب الإمام الصادقؑ و....**

اسی طرح علامہ نے مختلف الشیعہ میں کہا: **لا یقال عبد اللّٰہ بن بکیر الفطحي لانا نقول عبد اللّٰہ بن بکیر و إن کان فطحیا إلّا ان المشائخ وثقوہ**، اس کے بعد کشی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ اسی طرح کی بات وہ ابان بن عثمان الاحمر کے ترجمہ میں کہتے ہیں:.... **الّا انہ کان ثقة و قال الکشي انہ ممن اجمعت العصابة علی تصحیح ما یصح عنہم** ۔ اسی طرح ابن داؤد نے بھی سمجھا ہے جیسا کہ ان کی عبارت ذکر ہوگئی۔

و ثالثًا: ہر راوی اپنے سے پہلے والے راوی کی کلام نقل کرتا ہے نہ کہ حدیث کو نقل کرتا ہے۔ لہٰذا تصحیح بھی اس کی نقل سے مربوط ہوگی نہ کہ حدیث سے، مثلا ابن ابی عمیر، ابن اذینہ سے نقل کرتے ہیں تو وہ اس نقل میں مصدق ہوں گے جب وہ مصدق در نقل ہوئے تو ثقہ ہوں گے۔ البتہ محدث نوری نے اس قول پر اشکالات کئے ہیں لیکن وہ زیادہ دقیق نہیں ہیں۔ ہاں یہ سوال باقی ہے کہ اگر توثیق ہی مراد تھی تو پھر ان ۱۸ افراد کے ساتھ تخصیص کی کیا ضرورت تھی جبکہ بہت سے اور رواۃ بھی ہیں جن کی وثاقت متفق علیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ افراد مراجع فقہ تھے اور مصادر علوم ائمہ تھے۔ اسی وجہ سے **بتصدیقھم** پر عطف کرتے ہوئے کہا: **و اقرّوا لھم بالفقہ و العلم** یعنی اجماع صرف ان کی وثاقت پر قائم نہیں ہے بلکہ ان کی فقاہت و علم پر بھی ہے ائمہ کے دوسرے تلامذہ کے مقابل میں۔ جبکہ کشی نے انہیں اصحاب اجماع نہیں کہا بلکہ فقہاء کہا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

معنی ثانی:

معنی ثانی میں تین احتمال ذکر ہوئے ہیں:

احتمال اول: ان کی روایات صحیح ہیں قرائن داخلیہ یا خارجیہ کی وجہ سے یعنی تصحیح ما یصح عنه کا مطلب یہ ہے کہ ان اصحاب کی روایات صحیح ہیں اور صحت اس معنی میں مراد ہے جو قدماء میں معروف تھا یعنی اطمینان ہو صدق روایت کے بارے بغیر اس کے کہ اس کے رواۃ کی توثیق ہو، اس احتمال میں ما صولہ سے مراد خود مروی و حدیث ہے جب ان تک روایت صحیح ہو جائے تو اس کی صحت کا حکم لگائیں گے اگرچہ سند مرسل ہو یا مشتمل ہو ضعیف یا مجہول پر۔

متاخرین یعنی علامہ یا ان کے شیخ احمد بن طاؤس (م ۶۷۳) کے عصر سے صحیح کے معنی یہ رائج ہوئے جس کی سند معصوم تک متصل ہو نقل عدل امامی ضابط کے ذریعے تمام طبقات میں جبکہ قدماء کے نزدیک صحیح وہ حدیث تھی جو قرائن داخلیہ یا خارجیہ سے محفوف ہو جو اس کے صدق پر دال ہوں اگرچہ اس کی سند ضعیف ہو۔ تصحیح ما یصح عنه کا یہ معنی محقق داماد نے الرواشح السماویہ ص ۱۴۱ میں اختیار کیا ہے اور محقق بہبہانی نے تعلیقہ میں اسے اختیار کیا ہے۔ اس قول سے کوئی ثمرۂ رجالی ثابت نہیں ہوتا چونکہ اس کی بناء پر نہ ان اصحاب اجماع کی توثیق ہوتی ہے اور نہ ان کے مشائخ کی۔

اس قول سے جواب دیتے ہوئے محدث نوری فرماتے ہیں کہ یہ قول موقوف ہے اس پر کہ صحیح عند القدماء و صحیح عند المتاخرین فرق رکھتا ہو جبکہ ایسا کوئی فرق ثابت نہیں ہے بلکہ دونوں کے نزدیک صحیح کے ایک معنی ہیں۔ صرف یہ کہ متاخرین صحیح میں راوی کے امامی ہونے کی شرط کرتے ہیں جبکہ قدماء روایت ثقہ پر صحیح کا اطلاق کرتے ہیں اگرچہ

Presented by Ziaraat.Com

غیر امامی ہو۔

لیکن یہ بات درست نہیں ہے چونکہ خبر کو قرائن داخلیہ یا خارجیہ کی بناء پر صحیح کہنا ثابت ہے۔ قرینہ داخلیہ سے مراد وثاقتِ راوی ہے، متاخرین سب کے سب اسی کے قائل ہیں۔ شیخ طوسی نے عدۃ الاصول بحث تعادل و تراجیح میں قرائن خارجیہ کو بیان کیا ہے جیسے خبر کا موافق ادلہ عقل ہونا یا موافق مضمونِ قرآن ہونا یا موافق سنت معتبرۃ ہونا یا موافق ہونا اس کے جس پر فرقہ مُحقّہ کا اجماع ہو:

فهذه القرائن كلها تدل على صحة متضمن اخبار الاحاد و لا تدل على صحتها انفسها۔

یعنی یہ قرائن سب کے سب اخبار کے مضمون کی صحت پر دلالت کرتے ہیں نہ کہ خود خبر واحد کی صحت پر۔

احتمال دوم و سوم: اصحاب اجماع کی روایات پر صحت کا حکم لگانا ان کی اور ان کے مشائخ کی وثاقت کی بناء پر یعنی ان کی احادیث صحیح ہیں نہ بسبب قرائن داخلیہ یا خارجیہ بلکہ اس لئے کہ یہ خود ثقہ ہیں اور جن سے انہوں نے روایت کی ہو تا معصوم وہ سب رواۃ ثقہ ہیں۔ یہی احتمال محدث نوری نے اختیار کیا ہے۔ انہوں نے اس قول کی تقریر و توضیح اور استدلال کو مفصل بیان کیا ہے لیکن اسے قبول کرنا مشکل ہے اور ان کا استدلال اسے ثابت نہیں کر سکتا۔

اس قول کا سب سے بہترین جواب یہ ہے کہ اصحاب اجماع میں ضعفاء سے روایت کثرت سے واقع ہوئی ہے، جیسے

۱۔ کلینی نے باب من اوصی و علیہ دین و کتاب المیراث میں

Presented by Ziaraat.Com

روایت کی: عن جمیل بن درّاج عن زکریا بن یحیی الشعیري عن الحکم بن عتیبة ،اس حکم کی مذمت میں متعدد روایات وارد ہیں۔(رجال کشی ،ص ۱۳۷)۔

۲۔ شیخ نے الفہرس میں حکایت کی: ان یونس بن عبد الرحمن روی کتاب عمرو بن جمیع الازدي البصري ... و قد ضعّفه الشیخ و النجاشي ،اس کی مزید وضاحت مشائخ ثقات میں آئے گی۔(کلیات الرجال استاد جعفر سبحانی مدظلہ)

۲۔مشائخ الثقات

توثیق عام کا ایک اور مورد تین افراد کے بارے یہ جملہ ہے کہ محمد بن ابي عمیر و صفوان بن یحیی و محمد بن ابي نصر البزنطي لا یروون و لا یرسلون إلا عن ثقة ،دو فائدے اس دعوی پر مترتب ہیں:

فائدہ اولی: جس سے یہ روایت کریں وہ ثقہ ہے، یہ ثمرہ رجالی ہے۔

فائدہ ثانیہ: ان کے مراسیل پر عمل ایسے ہی جائز ہے جیسے ان کے مسانید پر اگرچہ واسطہ مجہول یا مہمل یا ضعیف ہو، یہ ثمرہ اصولیہ ہے۔

اس بارے اصل شیخ طوسی کی عدة الاصول کی عبارت ہے، وہ فرماتے ہیں:

و إذا کان احد الراویین مسندا و الآخر مرسلا نظر في حال المرسل فإن کان ممّن انّه لا یرسل إلّا عن ثقة موثوق به فلا ترجیح لخبر غیره علی خبره و لإجل ذلك سوّت الطائفة بین ما یرویه محمد بن ابي عمیر و صفوان بن یحیی و احمد بن ابي نصر البزنطي وغیرهم من الثقات الذین عرفوا بانّهم لا

Presented by Ziaraat.Com

یروون و لا یرسلون إلّا ممّن یوثق به و بین ما اسنده غیرهم و لذلك عملوا بمراسیلهم إذا انفردوا بروایة غیرهم ۔

(ج۱،ص۱۵۴،طبعہ حدیثہ ص۲۸۶)

اگر دو روایوں میں سے ایک مسنداً روایت کرے اور دوسرا مرسلاً تو دیکھیں ارسال کرنے والا کون ہے۔ اگر وہ ایسا راوی ہے جو ارسال نہیں کرتا مگر ثقہ سے تو دوسرے کی روایت کو اس کی مرسلہ روایت پر کوئی ترجیح نہیں ہو گی۔ اسی وجہ سے طائفہ امامیہ برابر قرار دیتے ہیں اسے جسے یہ تین افراد روایت کریں یا دوسرے ثقہ افراد جن کے بارے معروف ہے کہ یہ روایت یا ارسال نہیں کرتے مگر ثقہ سے اور اسے جسے ان کے غیر راوی مسنداً نقل کریں۔ اسی وجہ سے جماعت شیعہ ان کے مرسلات پر عمل کرتی ہے۔

ان تین افراد کی شناخت

۱۔ ابن ابی عمیر (۲/۲۱۷ھ)

آپ کو محمد بن زیاد البزاز یا الازدی کہا جاتا ہے۔ نجاشی نے کہا: و هو محمد ابن ابي عمير زياد بن عيسى ابو احمد الازدي من موالي المهلب بن ابي صفرة، بغدادي الاصل و المقام لقي ابا الحسن موسى عليه السلام و سمع منه احاديث كناه في بعضها فقال : يا ابا احمد و روى عن الرضا عليه السلام، جليل القدر ، عظيم المنزلة فينا و عند المخالفين الحافظ يحكى عنه في كتبه و قد ذكره في المفاخرة بين العدنانية و القحطانية ۔ جاحظ نے البیان والتبیین میں کہا: حدثني إبراهيم بن داحة عن ابن ابي عمير و كان وجها من وجوه الرافضة ۔ آپ مہلب ابن ابی صفرہ کے موالی تھے بغداد کے

Presented by Ziaraat.Com

رہنے والے تھے، امام کاظمؑ سے روایات لیتے، بعض روایات میں امام نے آپ کو یا ابا احمد کہہ کر خطاب کیا، حافظ ابن حجر نے اپنی کتب میں آپ کے بارے کہا کہ آپ مفاخر میں سے تھے۔ جاحظ نے بھی کہا کہ آپ روافض کے بزرگان میں سے تھے۔

ایامِ رشید میں آپ کو قید میں ڈالا گیا۔ بعض نے کہا تا کہ مسند قضاوت قبول کر لیں، بعض نے کہا تا کہ اصحاب امام کاظم علیہ السلام کے بارے خبر دیں۔ و روي کہ آپ کو کوڑے مارے جا رہے تھے، شدت تکلیف سے قریب تھا کہ آپ کچھ کہہ دیتے کہ آپ نے محمد بن یونس بن عبدالرحمٰن کی آواز سنی جو کہہ رہے تھے اتق اللّٰه يا محمد بن ابي عمير فصبر ففرّج اللّٰه۔ خدا سے ڈرو اے ابن ابی عمیر آپ نے صبر کیا اور خداوند نے آپ کو رہائی دلائی۔ روایت کی گئی ہے کہ آپ کو مامون نے قید میں ڈالا یہاں تک کہ بعض بلاد کی قضاوت آپ نے قبول کر لی۔

و قيل آپ کی بہن نے آپ کی کتب کو اس حالت میں دفن کر دیا جب وہ چھپی ہوئی تھیں، ابن ابی عمیر چار سال قید میں رہے جس کی وجہ سے ان کی سب کتب ضائع ہو گئیں۔ و قيل آپ کی بہن نے آپ کی کتب ایک غرفہ میں رکھی تھیں ان پر بارش کے پڑنے سے وہ سب خراب ہو گئی، آپ نے پھر حفظ سے احادیث بیان کیں اس وجہ سے آپ کے مراسیل کو اصحاب قبول کرتے ہیں۔

نجاشی احمد بن محمد بن خالد سے روایت کرتے ہیں کہ ان ابن ابي عمير صنّف اربعة و تسعين كتابا ... ۔ کہ ابن ابی عمیر نے چورانوے کتب لکھی۔ و مات سنة سبع عشرة و مائتين۔ اور ۲۱۷ ہجری میں فوت ہوئے۔ شیخ طوسیؒ نے فہرست میں کہا: كان من اوثق الناس عند الخاصة و العامة و نسكهم نسكا و اورعهم و اعبدهم و قد ذكره الحافظ في كتابه فخر قحطان على عدنان

Presented by Ziaraat.Com

... انه كان اوحد اهل زمانه في الاشياء كلها۔ آپ نے تین آئمہ علیہم السلام کو ادراک کیا امام موسیٰ کاظم، امام رضا اور امام جواد علیہم السلام کو۔ احمد بن محمد بن عیسیٰ نے آپ سے ۱۰۰ نفر اصحاب کی کتب کو روایت کیا ہے۔ (فہرس، ترجمہ رقم ۶۱۸)

اصحاب میں سے ایسے اور افراد بھی تھے جن کے بارے مشہور تھا کہ یہ نقل نہیں کرتے مگر ثقہ سے۔ جیسے احمد بن محمد بن عیسیٰ قمی، جعفر بن بشیر بجلی، محمد بن میمون، زعفرانی، علی بن حسن طاطری۔ (نجاشی، ص ۵)

شیخ طوسی اس فن میں متبحر تھے وہ اس تسویہ پر متوجہ ہو گئے اگرچہ آپ کے معاصرین میں سے کسی نے اسے نقل نہیں کیا اور نہ متاخرین میں سے کسی نے ساتویں صدی ہجری تک۔ ہاں! نجاشی نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لہٰذا شیخ نے ان تین مشائخ کے بارے علماء و فقہاء طائفہ کے ایک بڑے مجموعے کی آراء پر اطلاع حاصل کر لی جو ان کی مسانید و مراسیل کے درمیان برابری کے قائل تھے۔ اس کا مفاد ان کے سب مشائخ کی توثیق ہے۔ شیخ کی فہرس و رجال دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ شیخ کے پاس کتب رجال و فہارس کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ ساتویں صدی ہجری سے علماء کی تصریحات اس بارے ملتی ہیں، محدث نوری نے ان کی تفصیلات ذکر کی ہیں:

۱۔ سید علی ابن طاؤوس (۶۴۴ م) فلاح السائل میں فرماتے ہیں: و مراسیل ابن ابي عمير كالمسانيد عند اهل الوفاق۔ ان کے بھائی احمد ابن طاؤوس نے اس بات کی مخالفت کی ہے۔

۲۔ محقق نے معتبر میں بحث کرّ میں کہا: ولا طعن في هذه بطريق الإرسال لعمل الاصحاب بمراسيل ابن ابي عمير۔

۳۔ فاضل آبی نے کشف الرموز میں کہا: و هذه و إن كانت مرسلة

Presented by Ziaraat.Com

لكن الاصحاب تعمل بمراسيل ابن ابي عمير۔

۴۔ علامہ نے نہایہ میں کہا: الوجه المنع إلّا إذا عرف ان الراوی فيه لا يرسل إلّا عن عدل كمراسيل ابن ابی عمير۔

شہید اول ذکری میں، ابن فہد حلی، محقق ثانی، صاحب جامع المقاصد وشہید ثانی وغیرہ سب نے ایسی تصریحات کی ہیں۔ ظاہراً یہ متاخرین کی طرف سے تسویہ وہی شیخ ونجاشی کے دعوی کی بناء پر ہے نہ کہ انہوں نے خود اس بارے تتبع کی ہو۔ شیخ کے دعوی سے اس بارے اتفاقِ فقہاء تو ثابت نہیں ہوسکتا لیکن مشہور کی توثیق مشائخ ابن ابی عمیر کے بارے کافی ہے۔ لیکن کچھ فقہاء اس تسویہ کو قبول نہیں کرتے اور اس پر اشکال کرتے ہیں:

۱۔ شیخ طوسی نے تہذیب واستبصار کے کئی مقامات پر اس پر مرسلہ ہونے کا اشکال کیا ہے لیکن عدۃ الاصول ان سے بعد میں لکھی گئی ہے لہٰذا یہ دعویٰ تسویہ شیخ کی آخری حیات میں حاصل ہوا ہے اور اس سے انصراف ہوگا جو ان دو کتابوں میں کہا۔

۲۔ محقق نے معتبر میں کہا:

و لو قال قائل مراسيل ابن ابي عمير تعمل بها الاصحاب منعنا ذلك لان في رجاله من طعن الاصحاب فيه فإذا ارسل احتمل ان يكون الراوي احدهم۔

اگر کوئی کہے کہ اصحاب امامیہ ابن ابی عمیر کے مرسلات پر عمل کرتے ہیں تو ہم اس بات کی نفی کریں گے۔ اس لیے کہ وہ جن

Presented by Ziaraat.Com

الاصلاح و فشا ذلك في النسخ المتعددة و لما راجعت خط الشيخ فيه تبينت الحال و ظاهر ان إبدال الواؤ عن نقيضي الزيادة التي ذكرنا (كثرة الواسطة و زيادتها) فإذا كان الرجل ضعيفا ضاع به الاسناد فلا بد من استفراغ الوسع في ملاحظة امثال هذا و عدم القناعة بظاهر الامور۔

۲۔ نجیّۃ بن اسحاق فزاری:

روى الصدوق عن ابيه حدثنا على بن إبراهيم عن محمد بن عيسى قال حدثنا محمد بن زياد مولى بنى هاشم قال حدثنا شيخ لنا ثقة يقال نجيّة بن إسحاق الفزارى، قال حدثنا عبد الله بن الحسين قال : قال لى ابو الحسن علیہ السلام : لم سميت فاطمة فاطمة۔ (علل الشرائع، باب ۱۴۲)

اس روایت میں محمد بن زیاد سے ابن ابی عمیر مراد ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ کتب حدیث میں محمد بن ابی عمیر کا نام یعنی جب محمد بن زیاد ذکر ہو تو اس کے ساتھ ازدي یا البزاز کو ضرور ذکر کرتے ہیں اور رجال میں محمد بن زیاد نام کے نو راوی ذکر ہوئے ہیں۔ ثانیاً: ابن ابی عمیر کو کسی رجالی نے مولی بنی ہاشم نہیں کہا بلکہ من موالی بنی المهلب کہا گیا ہے۔ امانجیة بن إسحاق کتب رجال میں نہیں آیا نجیّۃ بن الحارث آیا ہے۔

۳۔ معاویۃ بن حفص

روى الصدوق عن شيخه محمد بن الحسن بن الوليد (۳۴۳م) قال حدثنا محمد بن الحسن بن الصفار قال حدثنا الحسين بن الحسن بن ابان عن الحسين بن سعيد عن ابن ابي عمير عن حماد بن عثمان و معاوية بن حفص عن منصور جميعا عن ابي عبد الله علیہ السلام قال كان ابو

Presented by Ziaraat.Com

عبد اللهؑ في المسجد الحرام۔

(علل الشرائع، ج۲، ص۴۵۳، باب۲۱۰، ح۴)

اس حدیث کی بناء پر معاویہ بن حفص کو ابن ابی عمیر کا شیخ شمار کیا ہے جبکہ یہ کتب رجال میں معنون نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ کہ ظاہراً واؤ عاطفہ کے ذریعے معاویہ کا عطف ابن ابی عمیر پر ہے چونکہ جمیعاً کہا ہے یعنی درحقیقت حسین بن سعید، امام صادقؑ سے دوسند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

الاول: عن معاوية بن حفص عن منصور عن ابی عبد اللهؑ

الثانی: حسین بن سعید عن ابن ابی عمیر عن حماد عن ابی عبد اللهؑ۔

۴۔ عبدالرحمٰن بن ابی نجران

روی الشیخ في التهذیب عن الحسین بن سعید عن فضالة بن ، و محمد بن ابي عمیر و صفوان بن یحیی عن جمیل و عبد الرحمن بن ابي نجران عن محمد بن حمران قال سئلت ابا عبد اللهؑ عن النبت الذي في ارض الحرم۔ (تہذیب، ح۱۲۲۸)

اس حدیث کی بناء پر عبدالرحمٰن کو ابن ابی عمیر کا شیخ قرار دیا گیا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ عبدالرحمٰن کا جمیل پر عطف ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے چونکہ عبدالرحمٰن جمیل کے طبقہ سے نہیں ہیں بلکہ ان کا باپ ابو نجران اس طبقہ سے ہے۔ قال النجاشي عبد الرحمن بن ابي نجران کوفي روی عن الرضا روی ابوه ابو نجران عن ابي عبد اللهؑ۔ لہٰذا عبدالرحمٰن خود ابن ابی عمیر کے طبقہ سے ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن محمد بن خالد جو کہ ابن ابی عمیر سے بعد والے طبقہ کے رواۃ میں

Presented by Ziaraat.Com

سے ہے اس عبد الرحمٰن سے روایت کرتا ہے۔ بناء بریں حسین بن سعید کی دو سندیں ہیں:

الاول . حسين بن سعيد عن فضالة محمد بن ابي عمير و صفوان عن جميل

الثاني . عن عبد الرحمن بن ابي نجران عن محمد بن حمزان

لہٰذا عبد الرحمٰن فضالہ بن ایوب پر عطف ہے نہ کہ جمیل پر۔

۵۔ المعلّی بن خنیس

روى الشيخ باسناده عن الحسن بن محمد بن سماعة عن محمد بن زياد يعني ابن ابي عمير عن معلّى بن خنيس قال قلت لابي عبد الله عليه السلام: اشترى الزرع قال إذا كان على قدر شبر۔

(وسائل، ج ۱۳، باب ۱۱، بیع الثمار)

ظاہراً ابن ابی عمیر اور معلّٰی کے درمیان واسطہ ساقط ہوا ہے چونکہ معلّٰی صادق کے زمانے میں داؤد بن علی کے ہاتھوں منصور کے حکم پر قتل ہو گئے تھے اور بعید ہے کہ ابن ابی عمیر (۲۱۷م) ان سے بلا واسطہ روایت کرے اس لئے کہ داؤد کی وفات ۱۳۳ ہج میں ہوئی جیسا کہ کامل الزیارات ج ۵ ص ۴۴۸ پر مذکور ہے۔ گویا معلّٰی کا قتل ۱۳۳ھ سے پہلے ہوا ہے۔ صفوان بن یحیٰی متوفی ۲۱۰ھ کتاب معلّٰی بواسطہ معلّٰی بن زید الاحول روایت کرتے ہیں۔ (نجاشی، رقم ۱۱۱۴) بناء بریں معلّٰی مشائخ ابن عمیر سے نہیں ہو سکتے۔

الخامس

اس جملے فإن كان ممن يعلم انه لا يرسل إلّا عن ثقة موثوق به

Presented by Ziaraat.Com

لكن الاصحاب تعمل بمراسيل ابن ابي عمير۔

۴۔ علامہ نے نہایہ میں کہا: الوجه المنع إلّا إذا عرف ان الراوی فيه لا يرسل إلّا عن عدل كمراسيل ابن ابی عمير۔

شہید اول ذکری میں، ابن فہد حلی، محقق ثانی، صاحب جامع المقاصد وشہید ثانی وغیرہ سب نے ایسی تصریحات کی ہیں۔ ظاہراً یہ متاخرین کی طرف سے تسویہ وہی شیخ ونجاشی کے دعوی کی بناء پر ہے نہ کہ انہوں نے خود اس بارے تتبع کی ہو۔ شیخ کے دعوی سے اس بارے اتفاق فقہاء تو ثابت نہیں ہوسکتا لیکن مشہور کی توثیق مشائخ ابن ابی عمیر کے بارے کافی ہے۔ لیکن کچھ فقہاء اس تسویہ کو قبول نہیں کرتے اور اس پر اشکال کرتے ہیں:

۱۔ شیخ طوسی نے تہذیب واستبصار کے کئی مقامات پر اس پر مرسلہ ہونے کا اشکال کیا ہے لیکن عدۃ الاصول ان سے بعد میں لکھی گئی ہے لہٰذا یہ دعویٰ تسویہ شیخ کی آخری حیات میں حاصل ہوا ہے اور اس سے انصراف ہوگا جو ان دو کتابوں میں کہا۔

۲۔ محقق نے معتبر میں کہا:

و لو قال قائل مراسيل ابن ابي عمير تعمل بها الاصحاب منعنا ذلك لان في رجاله من طعن الاصحاب فيه فإذا ارسل احتمل ان يكون الراوي احدهم۔

اگر کوئی کہے کہ اصحاب امامیہ ابن ابی عمیر کے مرسلات پر عمل کرتے ہیں تو ہم اس بات کی نفی کریں گے۔ اس لیے کہ وہ جن

Presented by Ziaraat.Com

افراد سے روایت کرتے ہیں ان میں ضعیف بھی موجود ہیں۔
ارسال کی صورت میں ہوسکتا ہے راوی انہی میں سے ایک ہو۔
شیخ بہائیؒ نے الوجیزۃ میں اس سے جواب دیا کہ ابن ابی عمیر کا بعض دفعہ غیر ثقہ سے روایت کرنا مضر نہیں ہے چونکہ یہ اس کے ارسال میں دعوی ہے لا یرسل إلا عن ثقة نہ کہ لا یروي إلا عن ثقة۔لیکن یہ جواب درست نہیں ہے اس لئے کہ شیخ طوسی نے عدۃ میں کہا عرفوا بانهم لا يروون و لا يرسلون إلا عن ثقة ،یعنی یہ جیسے ارسال نہیں کرتے مگر ثقہ سے اسی طرح روایت بھی نہیں کرتے مگر ثقہ سے۔

۳۔ سید جمال الدین طاؤس (۶۷۳ م) صاحب البشری' اس دعوی کے خلاف شہید ثانی کی درایہ سے نقل کرتے ہیں۔

۴۔ شہید ثانی نے درایہ میں کہا: **و فی تحقق هذا المعنی و هو العلم بكون المرسل لا يروى إلا عن ثقة نظر** ۔اس چیز کا ثبوت یعنی یہ علم کہ ارسال کرنے والا روایت نہیں کرتا مگر ثقہ سے اشکال رکھتا ہے۔

۵۔ صاحب مدارک سید محمد سبط شہید ثانی (۱۰۰۹م)

۶۔ ولد شہید ثانی صاحب المعالم (۱۰۱۱م) معالم میں اس پر اشکال کرتے ہیں۔

الثالث : ابن ابی عمیر کے مشائخ بہت زیادہ ہیں۔بعض نے ۴۱۰ تک ذکر کیے ہیں۔شیخ نے الفہرس میں کہا: انه روى عنه احمد بن محمد بن عيسى القمي كتب مائة رجل من رجال الصادق ؑ۔محدث نوری نے آپ کے ۱۱۳ شیخ ذکر کیے۔آقائے خوئی نے معجم الرجال میں ۲۷۰ شیخ ذکر کیے ہیں۔صاحب مشائخ ثقات

Presented by Ziaraat.Com

نے ۳۹۷ مشائخ ان تینوں بزرگوں کے ذکر کیے ہیں اگرچہ انہوں نے بعض جو مشائخ ذکر کیے وہ مشائخ نہیں تھے، جیسے

۱۔ محمد بن سنان کو مشائخ ابن ابی عمیر میں سے شمار کیا ہے چونکہ ایک روایت میں آیا ہے: روى الشيخ الحر العاملي عن الصدوق في علل الشرائع عن محمد بن الحسن بن الصفار عن يعقوب بن يزيد عن محمد بن ابي عمير عن محمد بن سنان عمن ذكره عن ابي عبد الله ع في حديث ان نبيا من الانبياء بعثه الله إلى قومه فاخذوه فسلخوا فروة راسه و وجهه فاتاه ملك فقال له : إن الله بعثني إليك فمرني بما شئت فقال لي : اسوة لما يصنع بالحسين ۔ اس روایت میں چونکہ ابن ابی عمیر نے محمد بن سنان سے روایت کی ہے اس لئے اسے ان کے مشائخ میں سے شمار کیا ہے جبکہ یہ درست نہیں ہے۔

محمد بن سنان آپ کے معاصر تھے نہ کہ مشائخ میں سے تھے۔ آپ کی وفات ۲۱۷ میں ہوئی اور ابن سنان کی ۲۲۰ میں۔ ثانیاً علل الشرائع میں اس کی جگہ وارد ہے ومحمد بن سنان ہے اور یہ اشتباہ کثرت سے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب معالم نے مقدمہ منتقی الجمان میں اس پر تنبیہ کی ہے وہ فائدہ ثالثہ میں فرماتے ہیں: حيث إن الغالب في الطرق هو الوحدة و وقوع كلمة عن في الكتابة بين اسماء الرجال فمع الاعجال يسبق إلى الذهن ما هو الغالب فيوضع كلمة عن في الكتابة موضع واؤ العطف و قد رايت في نسخة التهذيب التي عندي بخط الشيخ رحمه الله عدة مواضع سبق فيها القلم إلى إثبات كلمة عن في موضع الواؤ ثم وصل بين طرفي العين و جعل على صورتها واؤ و التبس ذلك على بعض النساخ فكتبها بالصورة الاصلية في بعض مواضع

Presented by Ziaraat.Com

الاصلاح و فشا ذلك في النسخ المتعددة و لما راجعت خط الشيخ فيه تبينت الحال و ظاهر ان إبدال الواؤ عن نقيضي الزيادة التي ذكرنا (كثرة الواسطة و زيادتها) فإذا كان الرجل ضعيفا ضاع به الاسناد فلا بد من استفراغ الوسع في ملاحظة امثال هذا و عدم القناعة بظاهر الامور۔

۲۔ نجیّہ بن اسحاق فزاری:

روى الصدوق عن ابيه حدثنا على بن إبراهيم عن محمد بن عيسى قال حدثنا محمد بن زياد مولى بنى هاشم قال حدثنا شيخ لنا ثقة يقال نجيّة بن إسحاق الفزارى، قال حدثنا عبد الله بن الحسين قال : قال لى ابو الحسن عليه السلام : لم سميت فاطمة فاطمة۔ (علل الشرائع، باب ۱۴۲)

اس روایت میں محمد بن زیاد سے ابن ابی عمیر مراد ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ کتب حدیث میں محمد بن ابی عمیر کا نام یعنی جب محمد بن زیاد ذکر ہو تو اس کے ساتھ ازدي یا البزاز کو ضرور ذکر کرتے ہیں اور رجال میں محمد بن زیاد نام کے تو راوی ذکر ہوئے ہیں۔ ثانیاً: ابن ابی عمیر کو کسی رجالی نے مولی بنی ہاشم نہیں کہا بلکہ من موالی بنی المهلب کہا گیا ہے۔ اما نجیة بن إسحاق کتب رجال میں نہیں آیا نجیّة بن الحارث آیا ہے۔

۳۔ معاویہ بن حفص

روى الصدوق عن شيخه محمد بن الحسن بن الوليد (۳۴۳م) قال حدثنا محمد بن الحسن بن الصفار قال حدثنا الحسين بن الحسن بن ابان عن الحسين بن سعيد عن ابن ابي عمير عن حماد بن عثمان و معاوية بن حفص عن منصور جميعا عن ابي عبد الله عليه السلام قال كان ابو

Presented by Ziaraat.Com

عبد اللهؑ في المسجد الحرام۔

(علل الشرائع، ج۲، ص۴۵۳، باب۲۱۰، ح۴)

اس حدیث کی بناء پر معاویہ بن حفص کو ابن ابی عمیر کا شیخ شمار کیا ہے جبکہ یہ کتب رجال میں معنون نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ کہ ظاہراً واؤ عاطفہ کے ذریعے معاویہ کا عطف ابن ابی عمیر پر ہے چونکہ جمیعاً کہا ہے یعنی درحقیقت حسین بن سعید، امام صادقؑ سے دوسند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

الاول: عن معاوية بن حفص عن منصور عن ابی عبد اللهؑ

الثانی: حسين بن سعيد عن ابن ابی عمير عن حماد عن ابی عبد اللهؑ۔

۴۔ عبدالرحمٰن بن ابی نجران

روی الشيخ في التهذيب عن الحسين بن سعيد عن فضالة بن [illegible] و محمد بن ابي عمير و صفوان بن يحيى عن جميل و عبد الرحمن بن ابي نجران عن محمد بن حمران قال سئلت ابا عبد اللهؑ عن النبت الذي في ارض الحرم۔ (تہذیب، ح۱۲۲۸)

اس حدیث کی بناء پر عبدالرحمٰن کو ابن ابی عمیر کا شیخ قرار دیا گیا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ عبدالرحمٰن کا جمیل پر عطف ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے چونکہ عبدالرحمٰن جمیل کے طبقہ سے نہیں ہیں بلکہ ان کا باپ ابونجران اس طبقہ سے ہے۔ قال النجاشي عبد الرحمن بن ابي نجران كوفي روى عن الرضا روى ابوه ابو نجران عن ابي عبد اللهؑ۔ لہٰذا عبدالرحمٰن خود ابن ابی عمیر کے طبقہ سے ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن محمد بن خالد جو کہ ابن ابی عمیر سے بعد والے طبقہ کے رواۃ میں

Presented by Ziaraat.Com

سے ہے اس عبد الرحمٰن سے روایت کرتا ہے۔ بناء بریں حسین بن سعید کی دو سندیں ہیں:

الاول . حسين بن سعيد عن فضالة محمد بن ابي عمير و صفوان عن جميل

الثاني . عن عبد الرحمن بن ابي نجران عن محمد بن حمزان

لہٰذا عبد الرحمٰن فضالہ بن ایوب پر عطف ہے نہ کہ جمیل پر۔

۵۔ المعلّی بن خنیس

روى الشيخ باسناده عن الحسن بن محمد بن سماعة عن محمد بن زياد يعني ابن ابي عمير عن معلّى بن خنيس قال قلت لابي عبد الله عليه السلام: اشترى الزرع قال إذا كان على قدر شبر۔

(وسائل، ج ۱۳، باب ۱۱، بیع الثمار)

ظاہراً ابن ابی عمیر اور معلّٰی کے درمیان واسطہ ساقط ہوا ہے چونکہ معلّٰی صادق کے زمانے میں داؤد بن علی کے ہاتھوں منصور کے حکم پر قتل ہو گئے تھے اور بعید ہے کہ ابن ابی عمیر (۲۱۷م) ان سے بلا واسطہ روایت کرے اس لئے کہ داؤد کی وفات ۱۳۳ ہجری میں ہوئی جیسا کہ کامل الزیارات ج ۵ ص ۴۴۸ پر مذکور ہے۔ گویا معلّٰی کا قتل ۱۳۳ھ سے پہلے ہوا ہے۔ صفوان بن یحیی متوفی ۲۱۰ھ کتاب معلّٰی بواسطہ معلّٰی بن زید الاحول روایت کرتے ہیں۔ (نجاشی، رقم ۱۱۱۴) بناء بریں معلّٰی مشائخ ابن عمیر سے نہیں ہو سکتے۔

الخامس

اس جملے فإن كان ممن يعلم انه لا يرسل إلّا عن ثقة موثوق به

Presented by Ziaraat.Com

۱۱۔محمد بن إسحاق بن عمار ۱۲۔منصور بن یونس بزرج

۱۳۔موسیٰ بن بکر

فطحی المذہب مشائخ سے:

۱۴۔إسحاق بن عمار الساباطي ۱۵۔إسماعیل بن عمار

۱۶۔یونس بن یعقوب ۱۷۔عبد اللّٰہ بن بکیر

۱۸۔خالد بن نجیح جوّان

ابن ابی عمیر نے درج ذیل جماعت عامہ سے روایت ہے:

۱۹۔مالك بن انس

۲۰۔محمد بن عبد الرحمن بن ابي ليلىٰ القاضي المعروف كما في كمال الدين ، ص ٤١١

۲۱۔محمد بن يحيى الخثعمي كما في فهرس الشيخ في ترجمته.

۲۲۔ابو حنيفة على ما في الاختصاص

ابن ابی عمیر نے بعض زیدیہ سے بھی روایت کی ہے

۲۳۔زياد بن المنذر على ما في الفهرس

اور بعض ناوٴوسیہ سے بھی روایت کی ہے مثل ابان بن عثمان المرمي بالناووسيّة اگرچہ درست نہیں۔

السادس

وہ جو قدر متیقن ہے کہ یہ ثقہ سے نقل کے پابند تھے۔ یہ وہاں ہے جہاں بلا واسطہ نقل کریں۔ لہٰذا بالواسطہ نقل میں ایسی پابندی اس عبارت سے نہیں سمجھی جا سکتی۔

Presented by Ziaraat.Com

الذي نريده منه (جو جس کا کام ہے وہ اس میں قابل بھروسہ ہو) جیسے طبیب کا کام علاج ہے اس میں وہ قابل بھروسہ ہو، راوی کا کام روایت وحدیث ہے وہ روایت میں قابل بھروسہ ہو۔ اور یہ بھی ثابت نہیں کہ قدماء ثقہ سے مراد خصوص عدل امامی لیتے تھے برخلاف عرف۔

اما شیخ نے جو تفصیل دی اخبار غیر امامی میں یہ شیخ کا اپنا مختار ہے نہ کہ تمام اصحاب کا۔ لہٰذا آگے فرماتے ہیں فاما ما اخترته من المذهب فهو ان الخبر الواحد إذا كان واردًا من طريق اصحابنا.... پھر استدلال بیان فرماتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاب مطلقاً عمل کرتے ہیں خاطئين في الاعتقاد کی اخبار پر (یعنی فاسد المذہب رواۃ کی روایات پر)۔

لہٰذا حجیت خبر واحد میں شیخ کے مختار سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ لانهم لا يروون و لا يرسلون إلّا عن ثقة میں بھی آپ کی مراد ثقہ سے ثقة بالمعنى الاخص ہے۔ مگر یہ کہ ثابت ہو جائے کہ آپ کا مختار اور اصحاب کا مختار حجیت خبر واحد میں ایک جیسا ہے۔ بناء بریں اس قاعدہ کا نقض تب ہوگا کہ یہ افراد ضعیف راوی سے روایت کریں۔ لیکن فاسد المذہب اگر سچا ہو تو اس سے روایت کرنے سے قاعدہ نہیں ٹوٹے گا جیسا کہ ابن ابی عمیر نے ۱۳ واقفی شیوخ سے روایت کی ہے:

۱۔ إبراهيم بن عبد الحميد الاسدي	۲۔ حسين بن مختار
۳۔ حنان بن سدير	۴۔ داؤد بن الحصين
۵۔ درست بن ابي المنصور	۶۔ زكريا المؤمن
۷۔ زياد بن المروان القندي	۸۔ سماعة بن مهران
۹۔ سيف بن عميرة	۱۰۔ عثمان بن عيسى

Presented by Ziaraat.Com

لا یعرف لهم قول فیه وجب ایضا العمل به۔(عدۃ الاصول، ج۱)
اگر کوئی راوی مذہب کے لحاظ سے ہمارا مخالف ہو لیکن آئمہ علیہم السلام سے روایت کرے تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کے برخلاف ایک روایت ایسے طریق سے منقول ہو جو ثقہ افراد ہوں تو اس روایت کو چھوڑ دیں گے۔ لیکن اگر اس کے برخلاف کوئی ایسی روایت نہ ہو بلکہ اس کے موافق ایسی روایت ہو تو اس پر عمل واجب ہے اور اگر شیعہ رواۃ کی طرف سے کوئی روایت اس کے موافق یا مخالف نہ ہو تو بھی اس پر عمل واجب ہے۔
شیخ نے دوسرے فرقوں جیسے فطحیہ، ناووسیہ و واقفیہ کے بارے بھی یہی کہا ہے۔

ثالثا: فرمایا: إن الطائفة سوّت بين مراسيل الثلاثة و مسانيد غيرهم ،ان مسانید غیر سے مراد وہ احادیث ہیں جو طرق امامیہ سے نقل ہوئی ہو۔ پس ان تین میں سے جو جن ثقہ سے ارسال کرتے ہیں وہ بھی عادل امامی ہونا چاہیے تا کہ تسویہ صحیح ہو سکے۔

پس یہ اقطاب ملتزم تھے کہ روایت نہ کریں مگر ثقة بالمعنى الاخص سے لہٰذا اگر ان میں کوئی اپنی مسانید میں ضعیف في الحدیث سے یا صدوق فاسد المذہب سے روایت کریں تو قاعدہ ٹوٹ جائے گا۔ انتہی

یہ بات دو امر پر موقوف ہے: اولاً ثقہ سے مراد اصطلاح قدماء ہو جو کہ عدل امامی ہے۔ ثانیاً حجیۃ خبر واحد میں قدماء کے مسلک کو مان لیں کہ خبر مخالف (یعنی سنی راوی) میں مقتضی حجیت غیر تام ہے۔ لیکن یہ دونوں امر ثابت نہیں ہیں۔ چونکہ ثقہ سے امامی کا استفادہ مشکل ہے جبکہ ثقہ کے ایک ہی معنی ہیں و هو من يوثق به في العمل

Presented by Ziaraat.Com

...الـــــخ میں آیا انسان موثوق بہ ہے چاہے امامی ہو یا غیر امامی، یا خصوص عدلِ امامی ہے؟ چونکہ ثقہ کے تین معنی مراد لئے گئے ہیں:

المعنی الاول: زبان کا سچا ہو اگرچہ اعضاء و جوارح کے لحاظ سے گناہ گار ہو، کذوب کے مقابل۔ یہ ظاہر ہے جب ثقة فی الحدیث کہا جائے۔

المعنی الثانی: متحرز عن المعاصی کلها و منها الکذب چاہے امامی ہو یا غیرہ۔ تمام گناہوں سے پرہیز کرے جھوٹ ان میں سے ایک گناہ ہے چاہے امامی ہو یا غیر امامی۔

المعنی الثالث: یہی معنی ثانی مراد ہیں ساتھ ساتھ صحیح المذہب بھی یعنی امامی ہو، بعض قائل ہیں کہ شیخ کی عبارت میں یہ تیسرے معنی مراد ہیں کیونکہ:

اولاً: شیخ ترجیح احد الخبرین علی الآخر میں فرماتے ہیں: بان روایة المخالف شیعیا کان ام غیره إنما یحتج بها إذا لم یکن في مقابلها خبر مخالف مروي من الفرقة المحقة و إلّا فلا یحتج بها۔ شیخ کی عبارت یہ ہے: فاما إذا کان مخالفا في الاعتقاد لاصل المذهب و روی مع ذلك عن الآئمة علیهم السلام نظر فیما یرویه فإن کان هناك من طرق الموثوق بهم ما یخالفه وجب إطراح خبره و إن لم یکن هناك ما یوجب إطراح خبره و یکون هناك ما یوافقه وجب العمل به و إن لم یکن هناك من الفرقة المحقة خبر یوافق ذلك و لا یخالفه و

Presented by Ziaraat.Com

السابع

اس تسویہ پر شہید ثانی وغیرہ نے اعتراض کیا ہے۔ آپ اپنے استاد شیخ الشریعہ اصفہانی سے بھی اس کی عدمِ صحت نقل کرتے ہیں۔ آقائے خوئی نے معجم الرجال میں شہید ثانی کے اعتراض کو نقل کیا ہے اور اس کا جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

اولاً۔ اگر یہ تسویہ صحیح ہوتا تو قدماء میں سے کوئی ایک اسے ذکر کرتا لہٰذا یہ بات زیادہ محتمل ہے اس دعوی کا منشاء وہی کشی کا دعویٰ اجماع ہے علی تصحیح ما یصح عن هؤلاء والا چونکہ شیخ نے اس تسویہ میں تعمیم دی یہ تین اور ان کے غیر الذین عرفوا بانهم یروون إلاّ عمن یوثق به اور اس دور میں سوائے دعوای کشی کے اور کوئی اس بات سے معروف نہیں تھے۔ لہٰذا شیخ کے تسویہ کو اصحاب کی طرف منسوب کرنا ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ کیونکہ شیخ نے خود کئی موارد میں روایتِ ابن ابی عمیر ارسال کی وجہ سے ردّ کی ہے۔

شہید کی بات پر اشکال، یہ درست ہے کہ قدماء کی کلام میں یہ دعوی نہیں ملتا لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ ان کے کلمات میں اس کا نہ نام ہے نہ نشان۔ کیونکہ سب کتب تو ہم تک پہنچی نہیں ہیں ہم تک قدماء کی کتب میں سے صرف کشی کی کتاب پہنچی ہے اور وہ بھی اصل کتاب نہیں ہے بلکہ وہ جس کی شیخ نے تہذیب کی ہے اور سوائے رجالِ برقی کے کہ جس کو شیخ نے فہرس میں طبقات الرجال کہا ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ شیخ نے یہ تسویہ کتبِ فقہیہ سے استنباط کیا ہو جو کہ ہم تک نہیں پہنچیں۔

اما یہ کہنا کہ شیخ نے وغیرہم کہا اور اصحابِ اجماع کے علاوہ کوئی اور اس وصف سے معروف نہیں تھے یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ دوسرے افراد کے نام جو اس وصف سے مشہور تھے پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ اس وجہ سے علماء نقل عن الضعفاء کو ضعف شمار

Presented by Ziaraat.Com

کرتے تھے جیسا کہ کہا گیا ہے احمد بن محمد بن خالد البرقي إلّا انه يروي عن الضعفاء اور یہ کہ شیخ نے خود تہذیب واستبصار میں اس کی جو مخالفت کی ہے اس کی وجہ بیان ہو چکی کہ شیخ نے ان دونوں کتابوں کو اوائل جوانی میں تالیف کیا تھا اس وقت آپ ان اجلاء کے مراسیل کے بارے سیرہ اصحاب سے واقف نہیں تھے، بعد میں رجال وفقہ کی کتب میں بہت زیادہ تحقیق وجستجو کے نتیجہ میں آپ اس سیرہ سے واقف ہوئے۔ آپ نے عدۃ الاصول ایام سید مرتضیٰ (۴۳۶ھ) میں تالیف کی جب آپ کی عمر شریف ۵۰ سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ ممکن ہے کوئی کہے شیخ نے جو تسویہ ذکر کیا اس کا منشاء وہ ہو کہ ہر امامی کی خبر حجت ہے جس سے فسق ظاہر نہ ہوا ہو اور حجیت خبر کیلئے وثاقت شرط نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی درست نہیں! شیخ خود عدۃ الاصول میں وثاقت کو شرط قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

إن واحدًا منهم إذا افتى بشيء لا يعرفونه سئلوه من اين قلت هذا ؟ فإذا احالهم على كتاب معروف او اصل مشهور و كان راويه ثقة لا ينكر حديثه سكتوا و سلّموا الامر في ذلك و قبلوا قوله و هذه عادتهم و سجيتهم من عهد النبي .صلى الله على و آله. و من بعده من الآئمة .عليهم السلام. ۔

جب ان میں سے کوئی شخص ایک چیز کے بارے فتویٰ دے تو اس سے وہ پوچھتے ہیں کہ تم نے کہاں سے کہا؟ اگر وہ کسی مشہور کتاب یا اصل کا حوالہ دے اور اس کا راوی ثقہ ہو جس کی روایت قبول کی جاتی ہو تو وہ خاموش ہو جاتے ہیں اور اس کی بات مان لیتے ہیں۔ یہی عادت و رویہ ہمیشہ سے ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

بعض نے کہا علامہ اس نظریئے کے قائل تھے اس لئے کہ وہ ترجمہ احمد بن اسماعیل بن عبداللہ میں کہتے ہیں: لم ینصّ علمائنا علیه بالتعدیل و لم یرو فیه جرح فالاقوی قبول روایته مع سلامتها من المعارض ۔یعنی علماء نے اس کی توثیق ذکر نہیں کی اور اس بارے مذمت بھی وارد نہیں ہوئی پس بناء بر اقوی اس کی روایت قبول ہوگی بشرطیکہ معارض نہ رکھتی ہو۔ (الخلاصۃ، ص ۱۶)۔لیکن ممکن ہے علامہ نے یہ اس لئے کہا ہو جو نجاشی نے ان کے ترجمہ میں کہ: له عدة کتب لم یصنف مثلها و انّ اباه کان من غلمان احمد بن ابي عبد الله البرقي و ممن تادب علیه و ممن کتبه۔ (فہرس نجاشی، رقم ۲۴۲)

یا جو شیخ نے کہا: کان من اهل الفضل و الادب و العلم و له عدة کتب لم یصنف مثلها فمن کتبه کتاب العباسي و هو کتاب عظیم نحو عشرة آلاف ورقة في اخبار الخلفاء و الدولة العباسیة مستوفی ،(فہرس: ۲۳) ۔ ان جملات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مشاہیر شیعہ علماء میں سے تھے اور ایسی شخصیت کو توثیق کی ضرورت نہیں ہوتی صرف یہی کافی ہے کہ اس کے بارے قدح و مذمت وارد نہ ہوئی ہو تو اس کی توثیق کا حکم لگائیں گے۔اور یہ علماء کا طریقہ کار رہا ہے کہ وہ اعاظم کے بارے وثاقت کا حکم لگاتے تھے اگر چہ ان کی وثاقت کی تصریح وارد نہ ہوئی ہو۔اسی بناء پر ہم ابراہیم بن ہاشم وصدوق وغیرہ کی توثیق کا حکم لگاتے ہیں۔

و ثالثًا: یہ بات ثابت کرنا بہت مشکل ہے کہ یہ لایروون و لا یرسلون إلّا عن ثقة، یا تو خود راوی اپنے بارے ایسی تصریح کر دے یا ان کی مسانید و مشائخ میں تتبع کیا جائے اور کسی ضعیف سے ان کی روایت نہ ملے۔ اما پہلا طریقہ کہ خود انہوں ایسی تصریح کی ہو کہیں ثابت نہیں ہے۔اما دوسرا طریقہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت

Presented by Ziaraat.Com

ہوسکتا ہے کہ کسی ضعیف راوی سے روایت ان کی ملی نہیں ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے ضعیف سے روایت نہیں کی۔ اگر یہ بات درست ہو تب بھی مسانید میں درست ہے۔ لیکن مراسیل میں ایسا نہیں ہے اس لئے کہ خود ابن ابی عمیر کو ان سب کے نام یاد نہیں تھے جن سے اس نے روایت کی ہے تو دوسرے کیسے انہیں جان کر ان کی وثاقت کو پہچان سکتے ہیں۔

جواب: پہلی شق بھی صحیح ہوسکتی ہے، ہوسکتا ہے خود انہوں نے ایسی تصریح کی ہو جس پر شیخ اور نجاشی واقف ہوئے ہوں اور ہم نہ جان سکے ہوں چونکہ قدماء کی بہت سی کتب ضائع ہوگئی۔ لیکن یہ صرف احتمال ہے۔ بہتر ہے کہ دوسری شق اختیار کریں اور وہ یہ کہ ان کے مسانید میں تتبع کریں استقراء سے ثابت ہو جائے کہ ان میں کوئی ضعیف مروی عنہ نہ ہو اس سے یہ اطمینان حاصل ہو جائے گا کہ یہ ضعاف سے روایت نہ کرنے کے پابند تھے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر مسانید و مراسیل میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ یہاں تک ان تین اشکالات کا جواب روشن ہوگیا۔ مہم چوتھا اشکال ہے اور وہ یہ کہ ان کی مسانید میں ضعاف سے روایت ملتی ہے۔ آقائے خوئی نے معجم رجال الحدیث میں ابن ابی عمیر کے مشائخ میں چار افراد کا نام ذکر کیا ہے جو کہ ضعیف ہیں:

۱۔ علی بن ابی حمزة البطائنی

۲۔ یونس بن ظبیان

۳۔ علی بن حدید

۴۔ حسن بن احمد المنقری

۱۔علی بن ابی حمزة البطائنی

روی الکلینیؒ عن ابن ابی عمیر عن علی بن ابی حمزة عن ابی

Presented by Ziaraat.Com

بصير قال شكوت إلى ابى عبد الله الوسواس ۔

(الکافی، ج۳، کتاب الجنائز، ح۲۰)

روى الكشي عن ابن مسعود العياشي قال سمعت علي بن الحسن بن فضال يقول ابن ابي حمزة كذاب ملعون و قد رويت عنه احاديث كثيرة و كتبت تفسير القرآن من اوله إلى آخره إلا إني لا استحل ان اروي عنه حديثا واحدا ۔ (رجال کشی، رقم ۷۵۶)

اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ روایت قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ علی بن حسن بن فضال خود فطحی ہے جو کہ متولد بھی علی بن ابی حمزہ کی وفات کے بعد ہوا ہے۔ چونکہ حسن بن فضال ۲۲۴ھ میں فوت ہوا، ان کا بیٹا کہتا ہے: كنت اقابله (الوالد) و سني ثمان عشرة سنة بكتبه و لا افهم إذ ذاك الروايات و لا استحل ان ارويها عنه، یعنی موتِ والد کے وقت یہ بیٹا ۱۸ سال کا تھا تو گویا یہ ۲۰۶ھ متولد ہوا ہے جبکہ علی بن ابی حمزہ حیاتِ امام رضا علیہ السلام میں فوت ہو گیا تھا اور امام رضا علیہ السلام کی وفات ۲۰۳ھ میں ہے۔

و ثانیا: کشی نے یہی روایت علی بن ابی حمزہ کے بیٹے حسن کے ترجمہ میں ذکر کی ہے اور ظاہرا یہ ابن فضال کا طعن بیٹے کی طرف راجع ہے نہ کہ باپ کی طرف۔ چونکہ ابن فضال نے باپ کو ادراک نہیں کیا۔ یہ تو امامین الہادی والعسکری علیہما السلام کے دور میں تھا لہٰذا یہ کیسے علی بن ابی حمزہ سے احادیث و تفسیر کو لکھ سکتا ہے۔

ب: ما في الكشي رقم ۷۵۴، ۷۵۷، ۸۳۲، ۸۳۵ و ۸۳۶ بسنده عن علي بن ابي حمزة نفسه قال قال لي ابو الحسن موسى علیہ السلام: يا علي انت و اصحابك شبه (اشباه) الحمير ونظير ذلك في غيبة الطوسي،

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

ص ٤٤۔

وفیه ، اولاً :امامؑ سے بعید ہے کہ کسی کو اس کے منہ پر ایسی گالی دیں جیسا کہ کشی نے ص ۴۹۷ پر قمیوں کی طرف سے یونس بن عبدالرحمٰن کے بارے اخبار کا جواب دیتے ہوئے کہا: **فإن ابا الحسن اجلّ خطرا و اعظم قدرا من ان یسب احدا صراحًا** (معجم رجال الحدیث، ج ۴، ص ۲۳۰)۔ ثانیاً یہ روایت کذب خبری پر دلالت نہیں کرتی ہے صرف ان کی حماقت وغباوت پر دلالت کرتی ہے۔

ح: ما روی عن الرضا علیہ السلام مسندا (فیه ابو علي الفارسي المجهول) عن محمد بن عیسٰی عن یونس بن عبد الرحمن قال دخلت علی الرضا علیہ السلام فقال لي : مات علي بن ابي حمزة ؟ قلت : نعم ، قال : قد دخل النار ، قال ففزعت من ذلك ، قال : اما انه سئل عن الإمام بعد موسٰی علیہ السلام: ابی فقال : لا اعرف ، اما مابعده فقیل : لا ، فضرب في قبره ضربة اشتعل قبره نارا ۔اور ایک مرسل روایت میں ہے: **انّه قال بعد موت ابي حمزة إنه اقعد في قبره فسئل عن الآئمة فاخبر باسمائهم حتی انتهی إليّ فسئل فوقف فضرب علی راسه ضربة امتلاء قبره نارا** ۔ان دونوں روایات میں علی بن ابی حمزہ کی مذمت فرمائی گئی ہے کہ قبر میں دفن کے بعد جب ائمہ کے بارے میں اس سے سوال ہوا تو اس نے آٹھویں امام پر خاموشی اختیار کی تو اسے کوڑا مارا گیا جس سے اس کی قبر آگ سے بھر گئی۔ (کشی رقم ۸۳۴ و ۸۵۵)

و فیه ، یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ وثانیاً احتمال ہے یہ ان کے بیٹے حسن کے بارے وارد ہے جیسا کہ ابن الغضائری نے حسن کے بارے ذکر کی ہے۔ ثالثاً یہ معارض ہے ان روایات سے جو ان کے واقفیت سے رجوع پر دال ہیں کہ آخر میں وہ

امام رضاؑ کی امامت کی طرف لوٹ چکے تھے۔

د: غیبۃ الطوسی ص ۳۷ پر ہے کہ فھذا خبر رواہ ابن ابی حمزۃ و ھو مطعون علیہ و ھو واقفی۔ اس خبر سے مراد وہ روایت ہے جو امام صادقؑ سے ابن ابی حمزہ نے نقل کی ہے فی تکذیب من اخبر بموت ابنہ الکاظم ؑ۔

شیخ نے اس کا جواب دیا کہ اس کا راوی خود واقفی ہے اور عقیدہ وفہم میں کجی سے متہم ہے۔ ثانیاً: روایت کا مفہوم یہ ہے کہ امام کاظمؑ زندان میں شہید ہوئے اور آپ کی موت کسی پر ظاہر نہ ہوئی آپؑ کی تجہیز وتکفین آپؑ کے بیٹے امام رضاؑ نے انجام دی۔

ہ۔ نجاشی وشیخ نے آپ کے ترجمہ میں کہا واقفی ہے واحد عمد الوقفۃ (اور واقفی فرقے کے بنیادی افراد میں سے تھے)۔ اس کا جواب روشن ہے کہ کسی راوی کو صرف واقفی کہنے سے اس کا ضعف ثابت نہیں ہوتا چونکہ فرض یہ ہے کہ ایمان و عدالت' راوی میں معتبر نہیں ہیں، بس تعمّد بالکذب (جان بوجھ کر جھوٹ نہ بولتا ہو) نہ کرتا ہو۔

و۔ متعدد روایات غیبت طوسی واختیار معرفۃ الرجال میں ہیں جو ان کے طمع فی مال الامام پر دلالت کرتی ہیں جو کہ ۳۰ ہزار درہم تھا۔ اس کی وجہ سے اس نے امام کاظمؑ کی موت کا انکار کیا۔ لیکن یہ روایات اولاً ضعیف السند ہیں جو کہ معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتی ان روایات سے جو اس کی وثاقت پر دلالت کرتی ہیں۔ البتہ ایسی روایات، معتبرہ ہیں جو ان کے تعمد بالکذب پر دلالت کرتی ہیں۔

غیبۃ الطوسی ص ۴۶: روی احمد بن محمد بن عیسی عن سعد بن سعد عن احمد بن عمر، قال: سمعت الرضا ؑ یقول فی ابن حمزۃ

Presented by Ziaraat.Com

الیس هو الذي یروي ان راس المهدي یهدي إلی عیسی بن موسی و هو صاحب السفیاني و قال ، إن ابا إبراهیم علیہ السلام یعود إلی ثمانیة اشهر فما استبان لهم (لکم) کذبه۔ کیا وہی نہیں جو روایت کرتا ہے کہ مہدی کا سر عیسیٰ بن موسیٰ کو ہدیہ بھیجا جائے گا جو کہ سفیانی کا ساتھی ہوگا اور اسی علی بن ابی حمزہ نے یہ نہیں کہا تھا کہ امام موسیٰ کاظمؑ آٹھ ماہ بعد واپس آ جائیں گے کیسے اس کا یہ جھوٹ تم پر ظاہر ہو گیا ہے۔

الکشی ، رقم ۴۰۵۔۴۰۶ میں بھی ایک روایت وارد ہے: و قد یقال طریق الشیخ إلی احمد بن محمد بن عیسی مجهول یعني في کتاب الغیبة و ذلك بتقریب ما جری علیه الشیخ في مشیخة التهذبین و الفهرس من بیان طرقه إلی اصحاب الکتب و الروایات مختص بالروایات المتضمنة للاحکام في التهذبین لا غیر۔

لیکن یہ اشکال اس روایت پر قابل حل ہے ، اولاً تو یہ اختصاص ثابت نہیں بلکہ ظاہراً تعمیم ہے یعنی شیخ کے جو طرق ان رواۃ تک ہیں آپ کی تمام کتب میں وہی ہے جو فہرست و مشیخہ میں ہے۔ إن قلت ، شیخ کے فہرس میں احمد بن محمد بن عیسیٰ کی کتب و روایات تک دو طریق ذکر ہوئے ہیں دونوں ضعیف ہیں۔ ایک میں احمد بن محمد بن حسن بن الولید ہے جس کی توثیق نہیں ہوئی اور دوسرے میں احمد بن محمد بن یحییٰ العطار ہے ان کی بھی توثیق نہیں ہوئی۔ پس شیخ نے جو کچھ احمد بن محمد بن عیسیٰ سے بیان کیا ہے اپنی کتب میں وہ سب ضعیف شمار ہوگا۔

قلت ، اگر مشائخ اجازہ کو بغیر توثیق کے قبول نہ بھی کیا جائے تو تبدیل طریق کے ذریعے تصحیح ممکن ہے چونکہ شیخ مشیخہ میں فرماتے ہیں: و من جملة ما ذکرته عن

Presented by Ziaraat.Com

احمد بن محمد بن عیسی ما رویته عن الحسین بن عبید اللّٰه عن احمد بن محمد بن یحیی العطار عن ابیه محمد بن یحیی عن محمد بن علي بن محبوب عنه ۔ نیز فہرست میں عنوان محمد بن علی بن محبوب میں فرماتے ہیں: اخبرنا بها ای بجمیع کتب محمد بن علی بن محبوب و رواياته جماعة عن محمد بن علی بن الحسین عن ابیه (الصدوقین) و محمد بن الحسن عن احمد بن ادریس عنه۔

ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ شیخ نے جو کچھ احمد بن محمد بن عیسیٰ سے روایت کیا ہے وہ شیخ تک طریق صحیح کے ساتھ پہنچا ہے جو کہ یہی طریق مذکور ہے، یعنی محمد بن علی بن محبوب سے احمد بن محمد بن عیسیٰ تک تعبیر کرتا ہے۔ بعبارۃ اخری شیخ کا فہرس میں محمد بن علی بن محبوب کی تمام کتب و روایات تک طریق صحیح ہے اور وہ احمد بن محمد بن عیسیٰ سے روایت کرتی ہیں تو گویا شیخ کا احمد بن محمد بن عیسی کی جمیع کتب و روایات تک بھی طریقہ صحیح ہو جائے گا نظریۂ تبدیل کی بناء پر۔ شاید اردبیلی نے اسی بناء پر جامع الرواۃ میں شیخ کے طریق الی احمد بن محمد بن عیسیٰ کو صحیح قرار دیا ہو۔

(جامع الرواۃ، ج ۲، ص ۴۷۹)

اس صورت میں آقائے خوئی کا معجم رجال الحدیث ج ۲، ص ۳۰۸ پر ان پر سہو کا اشکال صحیح نہیں ہوگا۔ اور اگر اردبیلی مرحوم احمد بن محمد بن حسن بن الولید کی وثاقت کے قائل ہوں تو پھر طریق اول خود صحیح ہوگا لیکن ظاہراً اردبیلی ان کی وثاقت کے قائل نہیں ہیں۔

بہرکیف روایت مذکور سنداً معتبر ہے لیکن اس سے بطائنی کا ضعف خبری ثابت نہیں ہوتا۔ نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مستبصر نہیں ہوا اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی

Presented by Ziaraat.Com

حالِ التفات والی روایات بھی نا قابل عمل ہیں، صرف اس پر طعن بالوقف ثابت ہوتا ہے جو کہ دقاقت خبری میں مضر نہیں ہے۔ اور وہ روایات جو بطائنی کے مستبصر (تائب ہو کر امام رضاؑ کی امامت کو قبول کر لینے) ہونے کی دلیل ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ نعمانی نے غیبت میں **باب ما روی ان الآئمة إثنی عشر** میں ذکر کی ہے:

يحيى الحلبي عن علي بن ابي حمزة البطائني ، قال كنت مع ابي بصير و معنا مولى لابي جعفر ؑ فقال سمعت ابا جعفر ؑ يقول: منّا إثنا عشر محدّثا السابع من وُلدي القائم ؑ فقام اليه ابو بصير فقال : اشهد اني سمعت ابا جعفر ؑ يقول منذ اربعين سنة۔

۲۔ **عیون اخبار الرضا ؑ، باب النصوص علیه بالإمامة، حدیث ۲۸، کمال الدین، باب ۲۴، حدیث ۴:** عن حسن بن ابي حمزة عن ابيه عن يحيى بن القاسم عن الصادق ؑ عن ابيه عن جده علي ؑ قال : قال رسول الله صلى الله عليه و آله : الآئمة بعدي اثنا عشر اوّلهم علی بن ابی طالب (ؑ) و آخرهم القائم (ؑ) ۔اسی طرح باب ۲۴ حدیث ۳ میں راوی حسن ہے علی بن ابی حمزہ کا بیٹا عن ابیہ، اس روایت میں بارہ اماموں کے نام ہیں۔ اس سے بڑھ کر علی بن ابی حمزہ نے خود امام رضا ؑ سے روایت کی ہے، اصول الکافی، ج ۵، ص ۳۸۱ بسند معتبر: عن إبراهيم عن ابيه عن ابن ابي عمير عن علي بن ابي حمزة قال : قلت لابي الحسن الرضا ؑ : رجل تزوج إمراة على خادم فقال لي : وسط من الخدم ، قال : قلت على بيت ، قال : وسط من البيوت۔

تہذیب ج ۱، ص ۲۶۲ میں بھی سند صحیح کے ساتھ حسن اپنے باپ سے اور وہ

Presented by Ziaraat.Com

امام رضا علیہ السلام سے بیان کرتے ہیں جاریہ اب کے بارے، آخر میں امامؑ نے فرمایا: رضی اللّٰہ عن ابیك و رفعه مع محمد و آله۔ (لیکن مشکل یہ ہے کہ بیٹا 'حسن' بھی باپ کی طرح متہم ہے کذب کے ساتھ اور وہ بھی واقفی تھا)۔

اسی طرح کشی نے سندِ معتبر کے ساتھ روایت کی ہے: عن علي بن ابي حمزة البطائني : من لعن موسى بن جعفر علیہ السلام محمد بن بشير المبدع و المتشعبذ و دعاله عليه بان يذيقه اللّٰه حرّ الحديد و قول علي بن ابي حمزة فما رايت احدا قتل باسوء قتلة من محمد بن بشير لعنه اللّٰه ۔ترجمہ: علی بن ابی حمزہ روایت کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بدعتی شعبدہ باز محمد بن بشیر پر لعنت فرمائی اور دعا کی کہ خدا اسے لوہے کی گرمی چکھائے اور پھر میں نے دیکھا کہ اس سے برا کوئی قتل نہیں ہوا۔ اس بناء پر غضائری سے جو نقل ہوا ہے کہ علی بن ابی حمزہ لعنه اللّٰه اصل الوقف و اشد الخلق عداوة للولي من بعد ابی ابراهيم ،یعنی علی بن ابی حمزہ واقفی مذہب کی بنیاد ہے اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے بعد والے امام یعنی امام رضا علیہ السلام کا سخت ترین دشمن ہے۔ یہ درست نہیں ہے اور غضائری کی کتاب اصل نہیں ہے بلکہ ان پر وضع کی گئی ہے۔

شیخ طوسی عدۃ الاصول میں فرماتے ہیں:

في عنوان اعتبار العدالة في الراوي و إن كان ما رواه ليس هناك ما يخالفه و لا يعرف من الطائفة العمل بخلافه وجب ايضا العمل به إذا كان متحرجا في روايته موثوقا به في إمانته و إن كان مخطئا في اصل الاعتقاد فلاجل ما قلنا عملت الطائفة باخبار الفطحية مثل عبد اللّٰه بن بكير وغيره و اخبار الواقفة مثل سماعة بن

Presented by Ziaraat.Com

مهران و علي بن ابي حمزة و عثمان بن عيسىٰ۔

راوی میں اعتبار عدالت کے عنوان کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اگر مخالف عقیدہ والا کوئی روایت نقل کرے اور اس کے مخالف روایت ہمارے سے منقول نہ ہو اور نہ ہی شیعہ کا عمل اس کے خلاف ہو تو بھی اس روایت پر عمل واجب ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی روایت میں محتاط ہو اور امانت میں وہ قابل اعتماد ہو۔ اگرچہ اصل عقیدہ میں وہ خطا کار ہو۔ اسی وجہ سے شیعہ فطحیہ مثل عبداللہ بن بکیر وغیرہ اور واقفہ مثل سماعہ بن مہران و علی بن ابی حمزہ اور عثمان بن عیسیٰ کی روایت پر عمل کرتے ہیں۔

البتہ علامہ خلاصہ میں علی بن ابی حمزہ کے ترجمہ میں کہتے ہیں: ليس هو علي بن ابي حمزة البطائني لانه ضعيف جداً۔ یعنی یہ علی بن ابی حمزہ بطائنی نہیں ہیں کیونکہ وہ انتہائی ضعیف ہے۔ فہرست میں شیخ نے کہا: له اصل وری عنه ابن ابي عمير و صفوان بن يحيى۔ تکملة الرجال میں شیخ عبدالنبی الکاظمی فرماتے ہیں: موتِ امام کاظم علیہ السلام سے پہلے یہ موثق تھے؟ و الاكثر على تضعيفه مطلقا فيشمل جميع حالاته، لیکن اکثر کے نزدیک یہ مطلقاً ضعیف ہیں پس ان کی تمام روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔ قال في الشرح (شرح الاستبصار للشيخ محمد سبط الشهيد الثاني) : هو واقفي من غير توثيق بل ورد فيه ذمّ... و لعله اشار إلى رواية المتن ، يا علي انت و اصحابك شبه الحمير۔ شہید ثانی کے نواسے شیخ محمد نے فرمایا کہ علی بن ابی حمزہ واقفی ہے جس کی توثیق نہیں ہوئی بلکہ اس کے بارے مذمت وارد ہے اس مذمت سے ان کی مراد وہی روایت ہے جس میں فرمایا کہ اے علی بن ابی حمزہ تم اور تمہارے ساتھی گدھے کی مانند ہو۔ لیکن محقق نے معتبر میں کہا: بان تغيره انما

Presented by Ziaraat.Com

کان فی زمن موسیٰ علیہ السلام فلا یقدح فیما قبلہ، اس میں تبدیلی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانے میں ہوئی لہٰذا اس سے پہلے والی روایات میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ معتبر میں محقق انہی کی وجہ سے ایک روایت کو ضعیف شمار کرتے ہیں۔ (ص ۸۸، المسئلة ۲، اذا ماتت امراة بین رجال الاجانب، از کتاب الطہارۃ)

لیکن اس میں یوں فرمایا ہے: و الروایة ضعیفة لان علي بن ابي حمزة واقفي فلا عمل علی روایته مع وجود معارض من سلیم، یعنی چونکہ معارض سلیم موجود ہے لہٰذا اس کی روایت پر عمل نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ شیخ نے عدۃ میں یہی کہا ہے۔

ب۔ یونس بن ظبیان

روی الشیخ عن موسی بن القاسم عن صفوان و ابن ابي عمیر عن برید او یزید و یونس بن ظبیان قالا : سئلنا ابا عبد اللہ علیہ السلام عن رجل یحرم في رجب او في شهر رمضان حتی إذا کان اوان الحج اتی متمتعا فقال : لا باس بذلك۔ (تہذیب، کتاب الحج، باب ضروب الحج)۔ نجاشی نے یونس کے بارے کہا: ضعیف جدا لا یلتفت إلی ما رواه کل کتبه تخلیط۔ یہ انتہائی ضعیف ہے اس کی روایات قابل التفات نہیں ہیں اور اس کی سب کتب میں ملاوٹ ہے۔ (رجال النجاشی، رقم: ۱۲۱۰)

و قال الکاظمي في التکملة : علماء الرجال بالغوا في ذمّه و نسبوه إلی الکذب و الضعف و التهمة و الغلو و وضع الحدیث و نقلوا عن الرضا علیہ السلام : لعنه۔ کہ علم رجال والوں نے اس کی بہت مذمت کی ہے، اسے جھوٹا، ضعیف، متہم، غالی حدیثیں گھڑنے والا قرار دیا ہے اور امام رضا علیہ السلام سے اس کے

Presented by Ziaraat.Com

بارے لعنت روایت کی گئی ہے۔

جواب: اولاً:۔ ابن ابی عمیر تنہا ہوں تو غیر ثقہ سے نقل نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے یونس سے انہوں نے سوائے اس ایک حدیث کے کوئی اور حدیث نقل نہیں۔ یہاں یونس تنہا نہیں ہے یعنی ابن ابی عمیر تنہا غیر ثقہ سے نقل نہیں کرتے اور اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا راوی ہو تو پھر کوئی ڈر نہیں۔ یونس اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کے ساتھ برید بھی جیسا کہ نسخہ تہذیب، وافی اور رسائل میں ہے، یا یزید ہے جیسا کہ نسخہ استبصار میں ہے۔ لیکن برید سے ابن ابی عمیر کی روایت بعید ہے چونکہ برید امام صادق علیہ السلام کی حیات میں وفات پا گئے تھے یعنی ۱۴۸ھ سے پہلے۔ لہٰذا یہاں یزید ہی درست ہے۔ احتمالاً اس سے مراد ابو خالد القماط ہے جو کہ ثقہ ہے۔ اس سے صفوان رویات کرتے ہیں لہٰذا ابن ابی عمیر کی نقل اس سے صحیح ہے۔ اور احتمال یہ بھی ہے کہ اس سے مراد یزید بن خلیفہ ہو جو کہ اصحابِ امام صادق علیہ السلام میں سے ہے۔ اس سے بھی صفوان روایت کرتے ہیں جیسا کہ استبصار میں ہے۔ (ج ۳، حدیث ۳۷۲)

ثانیاً: احتمالاً واسطہ ہے درمیان میں یعنی ابن ابی عمیر اور یونس کے درمیان اس لئے کہ یونس کی وفات امام صادق علیہ السلام کی حیات میں ہوئی ہے۔ ابن ابی عمیر کا ان سے روایت کرنا بعید ہے۔

ثالثاً: یونس کا ضعف ثابت نہیں ہے۔ البتہ ان کی مدح میں جو روایت ہشام بن سالم نے امام صادق علیہ السلام سے ذکر کی: **قال: سئلت ابا عبد الله علیہ السلام عن یونس بن ظبیان فقال: رحمه الله و بنی له بیتا في الجنة کان و الله مامونا في الحدیث**۔ یہ حدیث ابن الہروی مجہول کی وجہ سے سنداً ضعیف ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ برقطی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے جسے ابن ادریس نے **مستطرفات**

Presented by Ziaraat.Com

السرائر میں جامع البزنطی سے روایت کیا ہے اور چونکہ یہ جوامع مشہور میں سے تھی جس کا انتساب اس کے مصنف کی طرف قطعی تھا لہٰذا آقائے خوئی کا یہ اشکال غیر تام ہے کہ ابن ادریس کی سند بزنطی سے ضعیف ہے۔

(کلیات فی علم الرجال، آقائے جعفر سبحانی)

ج۔ علی بن حدید

روی الشیخ عن الحسین بن سعید عن ابن ابي عمیر عن علي بن حدید عن بعض اصحابه عن احدهما علیهما السلام في رجل کانت له جاریة فوطئها ثم اشتری امها او ابنتها قال لا تحل له ۔ (تہذیب، حدیث ۱۱۷۶)۔ شیخ نے رجال میں اسے اصحاب امام رضا و امام جواد علیہما السلام سے شمار کیا ہے، فہرست میں اس کی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ کشی نے کہا: فطحی من اهل الکوفة و کان ادرك الرضا علیہ السلام ۔ علامہ نے خلاصہ کی قسم ثانی میں ذکر کیا اور کہا: ضعّفه شیخنا في التهذیب و الاستبصار لا یعول علی ما ینفرد بنقله ۔ شیخ نے استبصار میں دو مورد میں ان کی تضعیف کی ہے: ایک باب البئر تقع فیها الفارة وغیرها، دوسرا باب النهی علی بیع الذهب بالفضة نسیئة، فی ذیل حدیث عباد : و اما خبر زرارة فالطریق إلیه علي بن حدید و هو ضعیف جدا لا یعول علی ما ینفرد بنقله ، جس روایت کے نقل میں علی بن حدید منفرد ہوں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

جواب : اولاً: ضعف علی بن حدید ثابت نہیں ہے بلکہ کشی نے ہشام بن حکم کے ترجمہ میں نقل کیا ہے۔ علی بن محمد عن احمد بن محمد عن علي بن راشد عن ابي جعفر الثاني : قال جعلت فداك قد اختلف اصحابنا فاصلي

Presented by Ziaraat.Com

خلف اصحاب هشام بن الحكم؟ قال : عليك بعلي بن حديد ، قلت : فاخذ بقوله؟ قال : نعم فلقيت علي بن حديد فقلت : نصلي خلف هشام بن الحكم؟ قال : لا ۔ (اس سند میں ضعف ہے علی بن محمد القمی ضعیف ہے)

ترجمہ: یونس بن عبدالرحمٰن میں کہتے ہیں (یہ بھی ضعیف ہے علی بن محمد القمی کی وجہ سے) آدم بن محمد القلانسي ، قال علي بن محمد القمي ، قال : حدثني احمد بن محمد بن عيسى القمي عن يعقوب بن يزيد عن ابيه يزيد بن حماد عن ابي الحسن عليه السلام قال : قلت اصلّي خلف من لا اعرف؟ قالؑ : لا تصل إلّا خلف من تثق بدينه، فقلت له : اصلّي خلف يونس و اصحابه ؟ قال : يابي ذلك عليكم عليّ بن حديد ، قلت : آخذ بقوله ؟ قال: نعم ۔ ان دونوں روایات میں راوی نے سوال کیا کہ میں کس کے پیچھے نماز پڑھوں تو آپؑ نے فرمایا: اس کے پیچھے جس کے دین پر بھروسہ ہو پھر حکم دیا کہ علی بن حدید کے پیچھے نماز پڑھو۔

علی بن حدید رجالِ کامل الزیارات اور تفسیر قمی میں سے بھی ہیں ۔ یہ بھی ان کی توثیق کی تائید کرتی ہیں لیکن اس کی حقیقت سے بعد میں بحث ہوگی۔ لیکن کشی کی توثیق والی سند ضعیف ہے بناء بریں تضعیف شیخ مقدم ہے۔ لہٰذا اس روایت کہ جس میں ابن ابی عمیر نے علی بن حدید سے روایت کی ہے کا جواب یہ ہے کہ یہاں عن تصحیف ہے واؤ سے یعنی واؤ کو غلطی سے عــن لکھ دیا گیا ہے چونکہ **اوّلاً**: ابن ابی عمیر جمیل سے بلا واسطہ ۲۹۸ روایت نقل کرتے ہیں (معجم رجال الحدیث ، ج ۲۲، ص ۱۰۲) ۔ اور بہت بعید ہے کہ ان سے ایک روایت مع الواسطہ نقل کریں اس وجہ سے کتب احادیث میں اس کی نظیر نہیں ملتی ۔ **ثانیاً**: دونوں کا طبقہ ایک ہے جیسا کہ نجاشی نے نص کی ہے کہ علی

Presented by Ziaraat.Com

بن حدید امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے نقل روایت کرتے ہیں۔ **ثالثاً**: ابن ابی عمیر نے اس ایک روایت کے علاوہ علی بن حدید سے کوئی روایت نہیں کی۔ اس سے یہ بھی تائید ہوتی ہے کہ علی بن حدید ان کے شیخ نہیں تھے بلکہ معاصر تھے۔

(معجم رجال الحدیث، ج ۲۲، ص ۲۹۲)۔

د۔ حسین بن احمد المنقری

ان سے ابن ابی عمیر نے متعدد روایات نقل کی ہیں:

۱) روى الكليني عن علي بن إبراهيم عن إبيه عن ابن ابي عمير عن الحسين بن احمد المنقري ، قال : سمعت ابا إبراهيم عليه السلام يقول من استكفى بآية من القرآن۔ (الكافي ، ج ۲ ، كتاب فضل القرآن)

۲) روى عن محمد بن يحيى عن احمد بن محمد عن ابن ابي عمير عن الحسين بن احمد المنقري عن خاله ، قال : سمعت ابا عبد الله عليه السلام يقول من اكل طعاما لم يدع إليه فإنه اكل قصعة من النار۔ (الكافي ، ج ٥ ، كتاب المعيشة)

۳) روى في الروضة عن علي بن إبراهيم عن ابيه عن ابن ابي عمير عن حسين بن احمد المنقري عن يونس بن ظبيان ، قال : قلت لابي عبد الله عليه السلام الا تنهى هذين الرجلين عن هذا الرجل۔

٤) روى ايضا بسند صحيح عن ابن ابي عمير عن الحسين بن احمد عن شهاب بن عبد ربه قال ، قال لي ابو عبد الله عليه السلام : إن ظننت ان هذا الامر كائن فلا تدعن طلب الرزق ۔ (الكافي ، كتاب المعيشة)

٥) روى علي بن إبراهيم عن ابيه عن ابن ابي عمير عن حسين بن احمد

Presented by Ziaraat.Com

المنقري عن عيسى الضرير قال : قلت لابي عبد الله عليه السلام : رجل قتل رجلا متعمدا ما توبته۔ (الكافي ، كتاب الديات)

قال النجاشي : الحسين بن احمد المنقري ابو عبد الله روى عن ابي عبد الله عليه السلام رواية شافة لم تثبت و كان ضعيفا ، ذكر ذلك اصحابنا رحمهم الله روى عن داؤد الرقي و اكثر ، له كتاب ۔ رجال میں شیخ نے کہا: انه ضعيف (رقم ۸)۔ نجاشی نے کہا حسین بن احمد منقری ضعیف تھا اور شیخ طوسی نے بھی اسے ضعیف کہا۔

ظاہراً ان کا ضعف ان کے عقیدہ کی طرف راجع ہے نہ روایت کی طرف ، چونکہ اولاً نجاشی نے کہا: روى عن داؤد الرقي و اكثر اور داؤد کے حق میں کہا: ضعيف جداً و الغلاة تروي عنه ،اس بناء پر ممکن ہے یہ ان غلاۃ میں سے ایک ہو۔ ثانیاً: شیخ نے داؤدِ الرقی کو اصحاب امام کاظم علیہ السلام میں شمار کیا ہے اور کہا ہے : داود الرقي مولى بني اسد و هو ثقة من اصحاب ابي عبد الله علیہ السلام ۔ ہاں! ابن الغضائری نے کہا: كان فاسد المذهب ضعيف الرواية لايلتفت إليه۔ اس تصریح سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں طعن، نقلِ حدیث میں غیر ثقہ ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لئے کہ یہ داؤد رقی سے کثرت سے روایت کرتا تھا۔ لیکن یہ چیز مانع از وثاقت نہیں ہے کہ جس میں ابن ابی عمیر ملتزم تھے کہ غیر ثقہ سے روایت نہیں کریں گے۔

دو اور موارد

مشائخ الثقات میں دو اور مورد بھی ذکر ہوئے ہیں جن میں ابن عمیر ضعاف سے نقل کرتے ہیں:

(۱) ابو البختری وهب بن وهب اور عمرو بن جميع ۔ وہب بن

Presented by Ziaraat.Com

وہب عامی ہے اور نجاشی نے اسے کذاب کہا ہے۔ ابن ابی عمیر نے کتاب الصلاۃ میں صلاۃ الاستسقاء میں اس سے روایت کی ہے۔ (التہذیب، ج ۳، ح ۳۲۵)

(۲) عمرو بن جمیع زیدی بتری، نجاشی نے کہا: قاضي الري ضعيف۔ آقائے جعفر سبحانی فرماتے ہیں: ابن ابی عمیر نے ان سے کوئی روایت کتب اربعہ میں نہیں کی۔ ہاں شیخ صدوق نے دو روایتیں ان سے کی ہیں: معانی الاخبار جن میں ابن ابی عمیر ان سے روایت کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مشائخ امامی ثقہ (یعنی شیعہ ثقہ راویوں) سے روایت کرنے پر ملتزم تھے۔ جبکہ پہلا عامی ہے اور دوسرا بتری ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابن ابی عمیر ان سے تحمل حدیث کے وقت ان کی وثاقت کے معتقد ہوں۔ نیز عبداللہ بن قاسم کو بھی ذکر کیا گیا ہے جو کہ ضعیف ہے اور اس سے ابن ابی عمیر نے روایت کی ہے۔ نجاشی نے اسے کذاب غالی کہا ہے ولا خير فيه و لا يعتد بروايته۔ شیخ نے رجال میں اسے واقفی کہا ہے۔ ابن ابی عمیر نے اس سے صرف ایک روایت کی ہے وہ بھی احکام سے مربوط نہیں ہے ممکن ہے ان کا التزام صرف احکام سے مربوط روایات کے حوالے سے ہو۔

۲۔ صفوان بن یحییٰ (متوفی ۲۱۰ھ)

صفوان بن يحيى بيّاع السابري ان تین میں سے ایک ہیں جن کے بارے شیخ نے کہا کہ یہ روایت یا ارسال نہیں کرتے مگر ثقہ سے۔ نجاشی نے ان کے بارے کہا: كوفي ثقة ثقة عين روى ابوه عن ابي عبد الله عليه السلام و روى هو عن الرضا عليه السلام و كان له عنده منزلة شريفة۔ بہت متقی و زاہد تھے۔ شیخ فہرس میں فرماتے ہیں: اوثق اهل زمانه عند اهل الحديث و اعبدهم و كان يصلي كل

Presented by Ziaraat.Com

یوم و لیلة خمسین و مائة رکعة و یصوم في السنة ثلاثة اشهر و یخرج زکاة مالہ في کل سنة ثلاث مرات۔ کہ آپ موثق ترین اور عابد ترین فرد تھے، دن رات میں آپ ڈیڑھ سو رکعت نماز پڑھتے اور سال میں تین ماہ روزے رکھتے اور ہر سال تین مرتبہ زکوٰۃ مال ادا کرتے تھے۔

مشائخہ:

آقائے خوئی نے معجم رجال الحدیث میں آپ کے کتب اربعہ میں ۱۴۰ مشائخ ذکر کئے ہیں۔ مشائخ الثقات میں آپ کے مشائخ کتب اربعہ وغیرہ میں ۲۱۳ ذکر کئے ہیں جن میں سے ۱۰۹ ثقہ ہیں جبکہ باقی یا مہمل ہیں یا مجہول۔ ضعیف بہت کم ہیں۔ بہرکیف ان کے مشائخ میں ضعاف کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ معجم رجال الحدیث میں یہ ذکر ہوئے ہیں:

۱۔ **یونس بن ظبیان** : روی الشیخ عن موسی بن قاسم عن صفوان و ابن ابي عمیر عن برید (او یزید) و یونس بن ظبیان، اس کا جواب وہی ہے جو سابقاً گذر چکا ہے۔

۲۔ **علی بن ابی حمزة البطائنی**: یہ روایت جسم خدا کے بارے میں ہے اور علی بن ابی حمزہ نے صفوان سے روایت کی۔ کتب اربعہ میں اس کے علاوہ کوئی روایت بیان نہیں کی۔

۳۔ **ابو جمیلہ المفضل بن صالح الاسدی** : نجاشی نے ان کی تضعیف کی ہے، جابر بن یزید جعفی کے ذیل میں، **قال روی عنہ جماعة غمز فیهم و ضعّفوا منهم عمرو بن شمر و مفضل بن صالح و منخل بن جمیل و یوسف بن یعقوب**۔ علامہ نے انہیں ضعیف کذاب کہا

Presented by Ziaraat.Com

ہے یضع الحدیث۔ جھوٹی حدیثیں گھڑتا تھا۔

مفضل سے صفوان کی اس ایک حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں ہے اور علامہ نے جو کہا ہے کہ یہ ابن الغضائری سے ماخوذ ہے چونکہ ان کی یہی تعبیر ہے ضعیف کذاب یضع الحدیث اور ابن غضائری کی تضعیفات وتعدیلات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ نجاشی کی تضعیف بھی باحتمال قوی اس کے غلو کی بناء پر ہے۔

۴۔ **عبد اللہ بن خداش المنقری** : نجاشی نے کہا ضعیف جداً و في مذهبه ارتفاع۔ لیکن نجاشی کی تضعیف اس کے غلو کی وجہ سے ہے چونکہ خود کہہ دیا و في مذهبه ارتفاع۔ نجاشی ابن الغضائری سے تضعیفات میں متاثر تھے جہاں وہ وجہ ذکر نہیں کرتے وہاں اعتقاد غلوّ فی الراوی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کشی نے ان کی وثاقت نقل کی ہے۔

۵۔ **معلّی بن خنیس** : صفوان نے ان سے روایت کی ہے جیسا کہ فہرست شیخ میں ترجمہ معلّی میں مذکور ہے۔ فہرسِ شیخ میں ترجمہ معلّی میں وارد ہے: معلی بن خنیس یکنی ابا عثمان الاحول له کتاب۔

ابن غضائری نے کہا: معلّی پہلے مغیرہ بن سعید کا پیروکار تھا پھر محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ کی طرف چلا گیا و الغلاۃ یضیفون إلیه کثیراً و لا اری الاعتماد علی شيء من حدیثه۔ خلاصہ کی قسمِ ثانی میں علامہ نے ذکر کیا... و هو ضعیف جداً۔ نجاشی نے بھی تضعیف کی ہے: ضعیف جدًا لا یعوّل علیه۔

شیخ طوسی نے جو الغیبۃ میں کہا وہ ان کی مدح وعدالت پر دلالت کرتا ہے لیکن وہ بغیر اسناد کے ہے اور جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ نجاشی شیخ سے اضبط بھی ہیں لہٰذا

Presented by Ziaraat.Com

ان کی تضعیف مقدم ہونی چاہیے لیکن ابن غضائری کی تضعیفات کا تو اعتبار نہیں ہے اور دعوائے غلو متقدمین کی طرف سے مضر نہیں کیونکہ وہ اسے بھی غلو سمجھتے تھے جسے آج ضروریاتِ مذہب میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ شیخ وحید بہبہانی نے تعلیقہ میں کہا: ابن غضائری کا انہیں مغیری کہنا قطعاً درست نہیں۔ ابن طاؤس نے مہج الدعوات میں کہا: آپ اشہر وکلاءِ امام صادق علیہ السلام میں سے تھے اور اسی وجہ سے قتل ہوئے۔

بہت سی روایات ان کی مدحِ عظیم میں وارد ہیں جنہیں نجاشی نے ذکر کیا ہے اور ان کی مذمت کے بارے جو احادیث ذکر کی گئی ہیں وہی ہیں جن میں امام معصوم علیہ السلام نے فرمایا: خدا اس پر رحم کرے اس نے ہمارے سرّ کو فاش کیا جس کی وجہ سے قتل ہوا یہ عدمِ رضا پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ انہوں نے صرف تقیہ میں تقصیر کی ہے اور یہ ایسا گناہ نہیں جو عدمِ قبول روایت کا باعث ہو۔ باقی بعض سنداً ضعیف ہیں اور قابل جواب ہیں۔ شیخ طوسی نے غیبت میں معلّٰی کے حق میں نقل کیا ہے: کان معلّٰی من قوّام ابی عبداللہ علیہ السلام و انما قتله داؤد بن علی بسببه و کان محموداً عنده، فروی عن ابی بصیر۔ جب قتل کر دیا تو اس نے انہیں سولی پر لٹکا دیا عظم ذلك علی ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام و اشتدّ علیه و قال علیہ السلام له: یا داؤد علی ما قتلت مولای و قیّمی فی مالی و علی اهلی، واللّٰہ انه لاوجه عند اللّٰہ منك اما واللّٰہ لقد دخل الجنة۔ معلّٰی امام صادق علیہ السلام کے گھریلو امور کے ناظر تھے اس وجہ سے داؤد بن علی نے آپ کو قتل کروایا۔ قتل کے بعد ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا گیا، اس سے امامؑ کو بہت اذیت ہوئی اور آپ نے داؤد سے فرمایا: اے داؤد تم نے کیوں میرے دوست اور میرے مالی امور کے سرپرست کو قتل کر دیا خدا کی قسم خداوند کے نزدیک اس کا تم سے زیادہ مقام ہے۔ اور وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

Presented by Ziaraat.Com

ثانیاً: معلّٰی ۱۱۳ھ سے پہلے قتل ہوئے اور صفوان ۲۱۰ھ میں فوت ہوئے وہ ان سے کیسے نقل کر سکتے ہیں جبکہ دونوں کی وفات میں ۷۷ سال کا فاصلہ ہے۔ لہٰذا یہاں کوئی بیچ میں واسطہ تھا جیسا کہ ایک دوسری سند میں نجاشی نے ترجمہ معلّٰی بن خنیس میں ذکر کیا ہے کہ ان کی کتاب ہمارے لئے روایت کی ہے **فلان فلان ... عن صفوان عن ابن ابی عثمان معلّٰی بن زید الاحول عن معلّٰی بن خنیس** (رقم ۱۱۱۴)۔ ابو عثمان الاحول معلّٰی بن زید کی کنیت ولقب ہے نہ کہ معلّٰی بن خنیس کی۔ لہٰذا فہرس سے جو ترجمہ نقل ہوا اس میں تحریف ہے وہ معلّٰی بن زید کا ترجمہ ہے نہ کہ معلّٰی بن خنیس کا۔

۳۔ احمد بن محمد بن عمرو بن ابی نصر البزنطی (متوفی ۲۲۱ھ)

نجاشی نے کہا: **لقی الرضا علیہ السلام و جواد علیہ السلام و کان عظیم المنزلة عندهما و له کتب منها الجامع**۔ کتب اربعہ میں ۷۸۸ کے قریب روایات کی اسناد میں آئے ہیں۔ آقائے خوئی نے آپ کے مشائخ کتب اربعہ میں جو آئے ہیں ۱۱۵ ذکر کیے ہیں جن میں سے ۵۳ ثقہ ہیں باقی مہمل یا مجہول ہیں، کچھ ضعیف ہیں جیسے

۱۔ **مفضل بن صالح**: کلینی نے الکافی، کتاب الحج، باب بدء البیت و الطواف میں ایک روایت ذکر کی ہے جس میں بزنطی نے ان سے روایت کی ہے۔

۲۔ **حسن بن علي بن ابي حمزة البطائني**: شیخ نے التہذیب، باب التدبیر، حدیث ۹۵۳ کو ان سے ذکر کیا ہے جو حسن، امام رضا علیہ السلام سے روایت کر رہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی باپ کی طرح سے وقف سے لوٹ آیا تھا ورنہ امام رضا علیہ السلام سے روایت نہ کرتا۔

۳۔ **عبد الله بن محمد شامي**: الکافي، کتاب الاطعمة میں ان

Presented by Ziaraat.Com

سے روایت کی گئی ہے۔

ان پر اشکال یہ ہے کہ یہ رجال نوادر الحکمۃ میں سے ہیں جن کے متعدد رجال کی تضعیف کی گئی ہے۔ ان میں سے عبداللہ بن محمد شامی ہے جیسا کہ نجاشی نے ترجمۂ محمد بن احمد بن یحییٰ اشعری قمی میں کہا ہے۔ لیکن جس عبداللہ بن محمد شامی سے برنطی روایت کرتے ہیں وہ اور ہے اور یہ اور ہے کیونکہ یہ شیخ صاحب نوادر ہے۔ جبکہ جس سے برنطی نے روایت کی ہے وہ اس سے دو واسطہ کے ساتھ مقدم ہے: احمد بن محمد بن عیسیٰ یروی عن البزنطی یروی عن عبد اللہ بن محمد شامی ،لہٰذا یہ وہی نہیں ہوسکتا۔

٤. **عبد الرحمن بن سالم** : ان سے ابن ابی عمیر کی روایت بھی موجود ہے اور برنطی کی بھی یہ عبدالرحمٰن بن سالم بن عبدالرحمٰن عطار ہیں۔ ان کی تضعیف صرف ابن غضائری نے کی جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ایک وجہ اور بھی ان اشکالات کے جواب کیلئے ذکر ہوئی ہے کہ علی بن ابراہیم اور ابن قولویہ نے شہادت دی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں روایت نہیں کریں گے إلّا عن ثقة جیسے ان کی شہادت کو اخذ کرنا ضروری ہے مطلقا مگر یہ کہ اس کے خلاف نص آجائے۔ اسی طرح شیخ کی اس شہادت میں بھی ہے قبول کریں گے مگر یہ کہ اس کے برخلاف ثابت ہو جائے یا کوئی اور نص اس کے معارض ہو جائے ، جیسے ابن قولویہ اور علی بن ابراہیم کی اس شہادت کے خلاف ثابت ہو جانے سے ان کی یہ شہادت ردّ نہیں ہوئی۔ اس مورد کے غیر میں وہ شہادت ماخوذ ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ اس لئے کہ ان مقامات میں یہ شہادت اجمالیہ کئی شہادات بہ تعداد رواۃ منحل ہوتی ہیں۔ اگر کسی مورد میں ثبوت خلاف ہو تو صرف اسی مورد کو اخذ نہیں کریں گے۔ بقیہ موارد میں یہ

Presented by Ziaraat.Com

شہادت اپنی قوت کے ساتھ باقی ہے۔اس پر دو اشکال ہیں:

پہلا اشکال: یہ بات تب درست ہے کہ ایسی شہادت خود ان تین بزرگوں نے دی ہو یعنی خود انہوں نے تصریح کی ہو کہ وہ روایت یا ارسال نہیں کریں گے مگر ثقہ سے، اس صورت میں جہاں جہاں اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے یہ شہادت ماخوذ ہو گی۔لیکن یہ شہادت شیخ نے دی ہے ان مشائخ ثلاثہ کے بارے۔اب اگر ان کے ایسے مشائخ موجود ہوں جن کی تضعیف خود شیخ نے کی ہو تو یہ شہادت اعتبار سے ساقط ہو جائے گی۔فرق یہ ہے کہ اگر شہادت خود ان تینوں نے دی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں یہ شہادت دی ہے کہ ہم روایت یا ارسال نہیں کریں گے مگر اس سے جو ہماری نظر میں ثقہ ہوگا۔اب خلاف ظاہر ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے مصداق میں اشتباہ کیا ہے غیر ثقہ کو ثقہ سمجھ لیا ہے۔یہ مضر نہیں ہے کہ اس کے علاوہ موارد میں ان کی شہادت ماخوذ ہو۔

لیکن اگر یہ شہادت شیخ پر منتہی ہو تو یہ شیخ کا اپنا استقراء ہے ان کے مشائخ کے بارے میں اور اس کے خلاف ظاہر ہو جانے سے اس استقراء کا اعتبار ختم ہو جائے گا چونکہ ظاہر ہو چکا ہے کہ ناقص ہے۔استقراءِ ناقص سے ضابطہ وکلیہ استنباط نہیں کیا جا سکتا۔یہ بات آقائے خوئی نے معجم رجال الحدیث میں کی ہے۔

لیکن عدۃ الاصول کی عبارت میں غور وفکر کر لینے سے اس کا جواب دیا جا سکتا ہے چونکہ ظاہرِ عبارت یہ ہے کہ یہ استکشاف شیخ نے نہیں کیا بلکہ طائفۂ شیعہ نے کیا ہے یعنی شیخ سے پہلے اوساطِ علمیہ میں یہ بات مشہور تھی اور شیخ اس استکشاف کے حاکی ہیں نہ کہ کاشف۔شیخ نے فرمایا: **سوّت الطائفة بين ما يروبه هؤلاء و غيرهم من الثقات الذين عرفوا بانهم لا يروون و لا يرسلون الا عمن يوثق به**۔اس بناء

Presented by Ziaraat.Com

پر اشکال وارد نہیں ہے لہٰذا ان کے مشائخ مورد وثوق ہوں گے اور سب کی وثاقت کا حکم لگائیں گے اگرچہ کتب رجال میں ان کا ذکر نہ ہوا ہو یعنی مجہول یا مہمل ہوں۔

[redacted] وہ یہ ہے کہ یہ توجیہ ان کے مسانید میں درست ہے نہ کہ مراسیل میں کیونکہ ہوسکتا ہے مرسلہ میں واسطہ وہ راوی ہو جس کا ضعف ثابت ہو۔ اس کیلئے اس ضابطہ کو اخذ نہیں کریں گے کیونکہ یہ عام کے ساتھ اس کے شبہ مصداقیہ میں تمسک ہوگا جو کہ درست نہیں ہے۔

جواب میں کہتے ہیں کہ ان کے مشائخ میں جن کا ضعف ثابت ہے وہ انتہائی قلیل ہیں اور ان سے روایات بھی انتہائی محدود ہیں اور ایسا نادر احتمال اطمینان شخص کو مضر نہیں ہوتا چونکہ عقلاء ملتزم نہیں ہوئے کہ وہ صد در صد مطمئن ہوئے بغیر عمل نہیں کریں گے بلکہ نادر احتمال خلاف کے باوجود وہ عمل کرتے ہیں۔

(کلیات فی علم الرجال، استاد جعفر سبحانی مدظلہ)

لیکن مزید دقت نظر کی ضرورت ہے اس لئے کہ شیخ نے بھی بطور مطلق نہیں کہا بلکہ **و کذلك عملوا بمراسیلهم إذا انفردوا عن روایة غیرهم** اگر ان کے مراسیل و مسانید برابر تھے تو پھر یہ قید لگانے کی کیا ضرورت تھی اور خود شیخ نے بھی مراسیل ابن ابی عمیر پر عمل نہیں کیا جہاں مسانید موجود ہیں، (فراجع التہذیب، ج۸، ح ۹۳۲)۔ معلوم ہوا کہ ان کے مراسیل پر وہاں عمل کیا جا سکتا ہے کہ جہاں ہمیں مسند حدیث نہ مل سکے۔

Presented by Ziaraat.Com

العصابة المشهورة
بانّهم لا يروون إلّا عن الثقات

(وہ جماعت جن کے بارے معروف ہے کہ وہ روایت نہیں کرتے مگر ثقہ افراد سے)

۱۔ احمد بن محمد بن عیسٰی

۲۔ بنو فضّال کلّهم

۳۔ جعفر بن بشير البجلي

۴۔ محمد بن إسماعيل بن ميمون الزعفراني

۵۔ علي بن الحسن الطاطري

۶۔ احمد بن علي النجاشي (صاحب الفهرس)

۱۔ احمد بن محمد بن عیسٰی القمی

آپ ثقہ جلیل تھے، نجاشی و شیخ نے آپ کی توثیق کی ہے۔ علامہ نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ آپ نے احمد بن محمد بن خالد البرقی القمی کو قم سے نکال دیا لانہ کان یروي عن الضعاف، بعد میں انہیں واپس بلا کر معذرت کی اور ان کی وفات کے بعد ان کے جنازے میں برہنہ پاؤں چل کر گئے اور آپ نے سہل بن زیاد الآدمی کو بھی غلو کی وجہ سے قم سے نکال دیا تھا۔

برقی کو قم سے نکالنے کی وجہ سے بعض نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ خود ضعاف سے روایت نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ نتیجہ درست نہیں ہے کیونکہ انہوں نے احمد برقی کی پکڑ اس کے اکثار الرواية عن الضعفاء یعنی ضعفاء سے کثرت سے روایتیں لینے کی وجہ سے کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ خود اکثار الرواية عن الضعفاء نہیں کرتے تھے۔ نیز ان کا ضعفاء سے روایت کرنا ثابت ہے، جیسے:

Presented by Ziaraat.Com

۱) محمد بن سنان، ان کی نجاشی نے تضعیف کی ہے

۲) علی بن حدید، ان کا ضعف بیان ہو چکا ہے

۳) اسماعیل بن سہل، نجاشی نے کہا ضعّفه اصحابنا

۴) بکر بن صالح، ان کی تضعیف نجاشی نے ذکر کی ہے

۲۔ بنو فضال کلّهم

بنو فضال کے ہر مروی عنہ کی وثاقت پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے:

روی الشیخ في کتاب الغیبة عن ابي محمد المهدي قال : و قال ابو الحسین بن تمام ، حدثني عبد الله الکوفي خادم الشیخ حسین بن روح قال سئل الشیخ یعني ابا القاسم رضي الله عنه (حسین بن روح) عن کتب ابن ابی الغزاقر (**محمد بن علی الشلمغانی**، جس کے لعن کے بارے توقیع مبارک صادر ہوئی حسین بن روح کی طرف درذی الحجہ سنہ ۳۱۲ھ) بعد ما ذمّ و خرجت فیه اللعنة فقیل له کیف نعمل بکتبه و بیوتنا منها ملاء؟ فقال : اقول فیها ما قاله ابو محمد الحسن بن علي علیہ السلام و قد سئل عن کتب بني فضال فقالوا کیف نعمل بکتبهم و بیوتنا منها ملاء فقال : خذوا بما رووا و ذروا ما راوا۔

شیخ انصاری نے کتاب الصلاۃ میں وقتِ صلوٰۃِ ظہر کی بحث میں داؤد فرقد کے روایت کے بارے کہا: **و هذه الروایة و إن کانت مرسلة إلّا ان سندها إلی الحسن بن فضال صحیح و بنو فضال ممن امروا بالاخذ بکتبهم و روایاتهم۔**

اولاً یہ روایت ضعیف ہے عبداللہ الکوفی مجہول ہے اور مرسلہ بھی ہے چونکہ حسین بن روح ۳۲۶ھ میں فوت ہوئے اور امام عسکری علیہ السلام ۲۶۰ھ میں، لیکن اس روایت

Presented by Ziaraat.Com

کو مان لیں تب بھی اس کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ روایت کا مقصود یہ ہے کہ استقامت کے بعد بنی فضال کو فساد عقیدہ مضر نہیں ہوگا کہ ان کی حال استقامت والی روایات کو ماننے سے، نہ کہ اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی مسانید و مراسیل سب مان لیں بغیر اس کے کہ ان کے مروی عنہ کو دیکھیں۔ باقی سب لوگوں کی طرح ان کا بھی حال ہے غیر ثقہ و ثقہ کی تفتیش ضروری ہے (معجم رجال الحدیث، ج ۱، صفحہ ۸۳)

۳۔ جعفر بن بشیر البجلی

نجاشی نے کہا: جعفر بن بشیر الوشا البجلی من رفقائنا و اصحابنا و عبادهم و کان ثقة مات بالابواء ۲۰۸ و کان ابو العباس بن نوح یقول کان یلقب فقحة العلم (الفقحة من النبت الزهرة) روی عن الثقات و رووا عنه۔

یہ عبارت اس مطلوب پر دال نہیں ہے کہ وہ صرف ثقہ سے روایت کرتے تھے چونکہ دوسرا فقرہ بھی ساتھ ہے و رووا عنہ یہ تو انسان کے اختیار میں نہیں کہ انسان سے صرف ثقہ ہی روایت کریں، اور جعفر بن بشیر نے ضعاف سے روایت کی ہے جیسا کہ صالح بن الحکم جس کی نجاشی نے تضعیف کی ہے۔

۴۔ محمد بن اسماعیل بن میمون الزعفرانی

ان کے بارے میں بھی وہی کہا گیا جو جعفر بن بشیر کے بارے میں کہا گیا اور اس کی دلیل نجاشی کی یہ عبارت ہے: قال محمد بن اسماعیل بن میمون الزعفرانی ابو عبد اللّٰہ ثقة عین روی عن الثقات و رووا عنه اس عبارت سے بھی وہی مراد ہے جو بیان ہو چکا۔

۵۔ علی بن الحسن الطاطری الکوفی

شیخ نے ان کے ترجمہ میں فہرست میں کہا: کان واقفیاً شدید العناد فی

Presented by Ziaraat.Com

مذهبه صعب العصبية على من خالفه من الامامیه وله کتب کثیرة فی نصرة مذهبه و له کتب فی الفقه رواها عن الرجال الموثوق بهم و بروایتهم فلاجل ذلك ذکرناها ۔ یہ واقفی تھا اور اس میں بہت شدید تھا، اس نے اپنے مذہب کی حمایت میں بہت کتابیں لکھی اور فقہ میں بھی اس کی کتب ہیں جن میں وہ ثقہ سے اور ثقہ افراد اس سے روایت کرتے ہیں۔

اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ جس سے بھی یہ روایت کریں وہ ثقہ ہے لیکن عبارت سے زیادہ سے زیادہ یہ استفادہ ہوتا ہے کہ طاطری اپنی کتب میں غیر ثقہ سے روایت نہیں کرتا نہ کہ وہ جس سند میں بھی واقع ہو جائے ان کا مروی عنہ ثقہ شمار ہوگا۔

۶۔ احمد بن علی النجاشی

شیخ ابوالعباس احمد بن علی بن احمد بن عباس بن محمد بن عبداللہ بن ابراہیم بن محمد بن عبداللہ النجاشی آپ کے بہت سے مشائخ ہیں جن کے بارے میں آپ نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں مثلاً وہ جعفر بن محمد بن مالک بن عیسیٰ بن سابور کے ترجمہ میں کہتے ہیں: کان ضعیفا فی الحدیث قال احمد بن الحسین کان یضع الحدیث..... و سمعت من قال کان فاسد المذهب والروایة اور مجھے تعجب ہے کہ ہمارے دو جلیل القدر شیخ علی بن ہمام اور ابو غالب الرازی نے اس سے کیسے روایت کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان جیسوں سے روایت نہیں کرتے تھے۔

احمد بن محمد الجوہری کے ترجمہ میں کہا (م ۴۴۱) رایت هذا الشیخ و کان صدیقا لی ولو الدی وسمعت منه شیئًا کثیرًا و رایت شیوخاً یضعّفونه فلم ارو عنه شیئًا و تجنّبته ۔ کہ اس شیخ سے میں نے روایات سنی لیکن چونکہ ہمارے بزرگان اس کی تضعیف کرتے تھے لہٰذا میں نے اس سے روایت نہیں کی اور اس سے

Presented by Ziaraat.Com

اجتناب کیا۔

نیز محمد بن عبداللہ بن بہلول کے ترجمہ میں کہا: **وکان فی اوّل امرہ ثبتا ثم خلط و رایت جلّ اصحابنا یغمزونہ و یضعّفونہ الی ان قال رایت ھذا الشیخ و سمعت منہ ثمّ توقفت عن الروایۃ عنہ الّا بواسطۃ بینی و بینہ** ۔کہ یہ شیخ پہلے ٹھیک تھے پھر گڑبڑ ہوئے، ہمارے اکثر اصحاب ان کی تضعیف کرتے تھے میں نے انہیں دیکھا سنا لیکن ان سے روایت نہیں کی مگر یہ کہ میرے اور ان کے درمیان واسطہ ہو۔

انہی تصریحات سے محدث نوری نجاشی کے تمام ۳۲ مشائخ کی وثاقت کے قائل ہوئے ہیں اور آقای خوئی نے بھی کلام نجاشی سے اس کا استظہار کیا ہے۔

(معجم، ج۱، صفحہ ۶۰)

اور یہی چیز قرین قیاس لگتی ہے لہٰذا ان کے مشائخ کی توثیق کا حکم لگائیں گے مگر وہ کہ جس کی تضعیف ثابت ہو جائے۔

مشائخ صاحب نوادر الحکمۃ

محمد بن احمد بن یحییٰ بن عمران الاشعری القمی نے جو کہ اجلاء اصحاب میں سے شمار ہوتے ہیں نوادر الحکمۃ نام سے کتاب لکھی جو کہ کتاب التوحید سے شروع ہوتی ہے اور کتاب القضایا والاحکام پر ختم ہوتی ہے۔نجاشی اس بارے کہتے ہیں:

لمحمد بن احمد بن یحیٰی کتب منھا کتاب "نوادر الحکمۃ" وھو کتاب حسن کبیر یعرفہ القمیّون بہ دبّۃ شبیب ۔ترجمہ: ان کی بہت سی کتب تھیں ان میں سے ایک کتاب نوادر الحکمۃ ہے جو کہ بہترین اور بڑی کتاب ہے قمی اسے دبّہ شبیب کے نام سے یاد کرتے تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

اور مصنف کے بارے کہتے ہیں: محمد بن احمد بن یحیٰی الاشعری القمی کان ثقة فی الحدیث الّا ان اصحابنا یقولون قالوا کان یروی عن الضعفاء و یعتمد المراسیل ولا یبال عمن اخذو ما علیه فی نفسه مطعن فی شیٔ و کان محمد بن الحسن بن الولید یستثنی من روایة محمد بن احمد بن یحیٰی ما رواه عن (۱) محمد بن موسٰی الهمدانی، (۲) او ما رواه عن رجل، (۳) او یقول بعض اصحابنا، (٤) او عن محمد بن یحیٰی المعاذی، (٥) او عن ابی عبد الله الرازی الجامورانی، (٦) او عن ابی عبد الله السیاری، (۷) او عن یوسف بن سخت، (۸) او عن وهب بن منبسة، (۹) او عن ابی علی النیشاپوری، (۱۰) او عن ابی یحیٰی الواسطی، (۱۱) او عن محمد بن علی بن ابی سمینه، (۱۲) او یقول فی حدیث او کتاب ولم اروه، (۱۳) او عن سهل بن زیاد الآدمی، (۱٤) او عن محمد بن عیسیٰ بن عبید باسناد منقطع، (۱٥) او احمد بن هلال، (۱٦) او عن محمد بن علی الهمدانی، (۱۷) او عبد الله بن محمد الشامی، (۱۸) او عبد الله بن احمد الرازی، (۱۹) او احمد بن حسن بن سعید، (۲۰) او احمد بن بشیر الرقّی، (۲۱) او عن محمد بن هارون، (۲۲) او عن میمونه بن معروف، (۲۳) او عن محمد بن عبد الله بن مهران، (۲٤) او ما ینفرد به الحسن بن الحسین الوَلوَی، (۲٥) او ما یرو به عن جعفر بن محمد بن مالك، (۲٦) او یوسف بن الحارث، (۲۷) او عبد الله بن محمد الدمشقی۔

(ابن الولید نے اس جماعت کو رجال نوادر الحکمۃ سے استثناء کیا ہے یعنی ان

Presented by Ziaraat.Com

کے علاوہ جن مشائخ سے انہوں نے بلا واسطہ روایت کی ہے وہ محکوم بالصحۃ ہیں (رجال نجاشی، رقم/۹۳۹) اور شیخ نے فہرس میں دو کا اور اضافہ کیا: ۲۸۔ جعفر بن محمد الکوفی، ۲۹۔ ھیثم بن عدی۔

ابوالعباس بن نوح کہتے ہیں: **وقد اصاب شیخنا ابو جعفر محمد بن الحسن بن الولید فی ذلك کلّه و تبعه ابو جعفر بن بابویه رحمه الله علی ذلك الّا فی محمد بن عیسٰی بن عبید فلا ادری ما رایه فیه لانه کان علی ظاهر العدالة و الثقة۔**

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ استثناء مذکور شہادت ہے اس بات پر کہ جس سے محمد بن احمد بن عیسیٰ اشعری قمی نے روایت کی ہے اور اسے استثناء نہیں کیا گیا وہ عادل ہے۔ البتہ مراد ان کے بلا واسطہ مشائخ ہیں۔

اور جب ابن الولید کی یہ نظر ہے تو شیخ صدوق تضعیفات میں ان پر اعتماد کرتے ہیں شیخ من لایحضرہ الفقیہ میں فرماتے ہیں: **کان شیخنا محمد بن الحسن لا یصحّح خبر صلاة یوم غدیر خم و الثواب المذکور لمن صامه و یقول انّه من طریق محمد بن موسٰی الهمدانی و کان کذّابا غیر ثقة و کلّ مالم یصحّحه ذلك الشیخ قدس الله روحه. ولم یحکم بصحة من الاخبار فهو عندنا متروك غیر صحیح۔** کہ ہمارے شیخ محمد بن الحسن یوم الغدیر کی نماز و روزے والی روایت کو صحیح نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن موسی الہمدانی کذاب موجود ہے، اور جس روایت کو ہمارے یہ شیخ صحیح نہ سمجھیں وہ ہمارے نزدیک بھی غیر صحیح اور متروک روایت ہے۔

پس شیخ صدوقؒ کی بھی یہی نظر ہے اس کے علاوہ اس عبارت سے یہ بھی پتہ

Presented by Ziaraat.Com

چلتا ہے کہ رجال نوادر الحکمۃ کی توثیق اصالۃ العدالہ کی بناء پر نہیں تھی بلکہ احراز حال کی بناء پر تھی۔

البتہ بعض مستثنیٰ افراد میں قواعد توثیق وتضعیف کو سامنے رکھنا ہوگا جیسا کہ ابن نوح نے محمد بن عیسیٰ کے بارے میں کہا یا حسن الملؤلوی کی نجاشی نے توثیق کی ہے۔

مشائخ صاحب کامل الزیارات

مصنف کامل الزیارات شیخ ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ (م ۳۶۷ یا ۳۶۹) کاظمیہ میں شیخ مفید کے مقابل مدفون ہیں جو کہ آپ کے شاگرد تھے۔ احد اجلاء الاصحاب فی الحدیث والفقہ جیسا کہ نجاشی کی تعبیر ہے۔ آپ کی یہ کتاب شیعہ کی اہم کتب میں سے ہے اور حدیث میں اصول معتمدہ میں سے ہے، نجاشی نے فہرس میں اسے الزیارات سے تعبیر کیا اور شیخ نے رجال میں اسے جامع الزیارات سے تعبیر کیا ہے بقیہ کتب میں کامل الزیارات کہا ہے۔

آپ نے اس کتاب کے مقدمہ میں کہا ہے: **ولم أخرج فيه حديثا اروى عن غيرهم اذا كان فيما روينا عنهم من حديثهم كفاية عن حديث غيرهم وقد علمنا انّا لا نحيط بجمع ما روى عنهم فى هذا المعنى ولا فى غيره ولكن ما وقع لنا من جهة الثقات من اصحابنا ولا اخرجت فيه حديثًا روى عن الشذاذ من الرجال يؤثر ذلك عنهم عن المذكورين غير المعروفين بالرواية المشهورين بالحديث و العلم۔**

اس عبارت سے یہ استظہار کیا گیا ہے کہ جن رواۃ سے آپ نے روایت کی ہے اس کتاب میں تا امام علیہ السلام وہ سب ثقہ ہیں آپ کے نزدیک۔ شیخ حر عاملی نے وسائل الشیعہ کے خاتمہ میں یہی موقف اختیار کیا ہے فائدہ سادسہ میں وہ فرماتے ہیں:

Presented by Ziaraat.Com

وقد شهد علی بن ابراهیم ایضًا بثبوت احادیث تفسیره و انها مرویّة عن الثقات عن الائمّة و کذلك جعفر بن محمد بن قولویه فانّه صرّح بما هوا بلغ من ذلك فی اوّل مزاره۔ کہ علی بن ابراہیم نے شہادت دی کہ ان کی تفسیر میں احادیث ہیں وہ ثقہ افراد کے ذریعے معصوم سے ثابت ہیں اسی طرح ابن قولویہ نے مقدمہ کتاب الزیارات میں اس بارے واضح شہادت دی ہے۔

آقای خوئی نے بھی کہا: نحکم بوثاقة جمیع من وقع فی اسناد کامل الزیارات ایضًا فانّ جعفر بن قولویه قال فی اول کتاب..... فانك تری انّ هذه العبارة و اضحة الدلالة علی انّه لا یروی فی کتابه روایة عن المعصوم الّا وقد وصلت الیه من جهة الثقات من اصحابنا رحمهم اللّٰه۔ آقای خوئی نے فرمایا: ہم کامل الزیارۃ کی اسناد میں واقع ہونے والے سب راویوں کو ثقہ سمجھتے ہیں چونکہ خود جعفر بن قولویہ نے اس کی شہادت دی ہے پھر آپ نے وہ عبارت نقل کی اور فرمایا کہ یہ عبارت واضح دلالت کرتی ہے کہ آپ نے اس کتاب میں معصوم سے روایت نہیں کی مگر وہ جو ثقہ افراد کے ذریعے آپ تک پہنچی، پھر آپ نے فرمایا: البتہ یہ حکم ان روایات کے بارے ہے کہ جو معارض سے مبتلا نہ ہوں۔

پھر فرماتے ہیں: ﴿انّ هذا الحکم انما هو فیما اذا لم یبتلی بالمعارض﴾۔ (معجم، ج۱، ص۶۴) لیکن اس عبارت سے یہ استفادہ صحیح نہیں ہے۔

استاد جعفر سبحانی فرماتے ہیں: اس میں صحیح وہی ہے جو محدث نوری نے اختیار کیا ہے کہ ﴿انّه نصّ علی توثیق کل من صدّر بهم﴾ لہٰذا ﴿احادیث کتابه لا کلّ من ورد فی اسناد الروایات﴾ یعنی یہ ان کے مشائخ کی توثیق پر دلالت کرتی ہے نہ کہ تمام رواۃ کی توثیق پر۔

Presented by Ziaraat.Com

اس لئے کہ آپ اپنے تمام مشائخ کے لئے کلمہ استرحام ادا کرتے ہیں جبکہ رواۃ میں فطحی وواقفی اور سنّی راوی ہیں یہ شیخ اجلّ ان سب کے لئے کیسے کلمہ استرحام کہہ سکتے ہیں۔

آقای خوئی بھی بعد میں اپنی اس رائے سے منصرف ہوگئے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں: **ولکن بعد ملاحظة روایات الکتاب و التفتیش فی اسانیدها ظهر اشتماله علی جملة وافرة من الروایات و لعلّها تربو علی النصف لا تنطبق علی الاوصاف الّتی ذکرها قدس فی المقدمة، ففی الکتاب الشئ الکثیر من الروایات المرسلة والمرفوعة المقطوعة والتی تنتهی الی غیر المعصوم والتی وقع فی اسنادها من هو من غیر اصحابنا کما انه اشتمل علی الکثیر من روایات اناس مهملین لا ذکر لهم فی کتب الرجال اصلاً بل و جماعة مشهورین بالضعف کالحسن بن علی بن ابی عثمان و محمد بن عبد اللّٰه بن مهران و امیّه بن علی القیسی وغیرهم و معلوم ان هذا کلّه لا ینسجم مع ما اخبر به فی الدیباجه..... لم یکن بدًّا من حمل العبارة علی خلاف ظاهرها بارادة مشائخه خاصّةً و علی هذا فلا مناص عن العدول عمّا بیّنّا علیه سابقاً والاستلزام باختصاص التوثیق بمشائخه بلا واسطه۔**

لیکن اس کتاب کی روایات کے ملاحظہ اور اس کی اسانید میں غور وفکر کے بعد یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس میں بہت سی روایات جو کہ نصف سے زیادہ ہیں اس وصف پر پوری نہیں اترتی جو مصنف نے مقدمہ میں فرمائی ہے، کتاب میں مرسل، مقطوع، غیر معصوم سے مروی غیر شیعہ رواۃ سے مروی مجہول ومہمل رواۃ اور ضعیف رواۃ کی روایات

Presented by Ziaraat.Com

کثرت سے ہیں لہٰذا ہم نے جو نظریہ سابقاً اپنایا تھا وہ درست نہیں ہے اور اس سے مراد خلاف ظاہر لینا ہوگا کہ آپ کے مشائخ کی توثیق مراد ہے۔

جب حق یہ ہے کہ یہ عبارت آپ کے بلاواسطہ مشائخ کے ساتھ خاص ہے تو بہتر ہے کہ ان کے مشائخ ذکر کئے جائیں۔

آپ اکثر روایات اپنے والد محمد بن قولویہ سے نقل کرتے ہیں آپ کے والد مقبرہ شیخان قم میں مدفون ہیں ان کے بارے میں نجاشی نے کہا: ﴿کان ابوہ من خیار اصحاب سعد﴾ (علامہ امینی نے کہا یہ عمرو بن سعید المدائنی الساباطی ہیں۔ لیکن ظاہر یہ عمر بن سعد ہیں از مشائخ نصر (استاد سبحانی مدظلہ) و اصحاب سعد اکثرہم ثقات کعلیّ بن الحسین بن بابویہ (والد الصدوق) و محمد بن الحسن بن الولید (شیخ الصدوق) و حمزہ بن القاسم و محمد بن یحییٰ العطّار القمی۔ آپ اپنے بھائی ابوالحسین علی سے بھی روایت کرتے ہیں۔ محدث نوری نے آپ کے ۳۲ مشائخ بیان کئے ہیں:

(۱) آپ کے والد محمد بن قولویہ، (۲) ابوعبد الرحمٰن محمد بن احمد بن حصین الزعفرانی، (۳) ابو الفضل محمد بن احمد بن ابراہیم بن سلیمان الجعفی الکوفی المعروف بالصابونی، (۴) ثقۃ الاسلام کلینی، (۵) محمد بن الحسن بن الولید، (۶) محمد بن حسن بن علی بن مھزیار، (۷) ابوالعباس محمد بن جعفر الرزاز، (۸) محمد بن عبداللہ بن جعفر الحمیری القمی، (۹) حسن عبداللہ بن محمد بن عیسیٰ، (۱۰) ابوالحسین علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ، (۱۱) اخوہ علی محمد بن قولویہ، (۱۲) ابوالقاسم جعفر بن محمد بن ابراہیم الموسوی العلوی، (۱۳) ابوعلی احمد بن علی بن مہدی بن صدقہ الرقی، (۱۴) محمد بن عبدالمومن المؤدب القمی الثقہ صاحب النوادر، (۱۵) ابوالحسن علی بن حاتم بن ابی حاتم قزوینی، (۱۶) علی بن محمد بن

Presented by Ziaraat.Com

یعقوب بن اسحاق صیرفی، (۱۷) ابوالحسن علی بن الحسین سعد آبادی القمی، (۱۸) ابوعلی محمد بن سہیل الکاتب البغدادی، (۱۹) ابومحمد ھارون بن موسیٰ التلعکبری، (۲۰) قاسم بن محمد بن علی ھمدانی وکیل الناحیہ بھمدان، (۲۱) حسن بن زبرقان، (۲۲) ابوعبداللہ حسین بن محمد بن عامر بن عمران بن ابی بکر الشعری قمی، (۲۳) ابوعلی احمد بن ادریس بن احمد الاشعری القمی، (۲۴) ابوعیسیٰ عبیداللہ بن فضل بن محمد بن ھلال الطائی البصری، (۲۵) حکیم بن داؤد بن حکیم، (۲۶) محمد بن حسین الجوہری، (۲۷) محمد بن احمد بن علی بن یعقوب، (۲۸) ابوعبداللہ محمد بن احمد بن یعقوب بن اسحاق بن عمار، (۲۹) ابوعبداللہ محمد بن احمد بن یعقوب، محمد نوری نے احتمال دیا ہے کہ یہ تینوں ایک ہی ہیں، (۳۰) ابو عبداللہ الحسین بن علی الزعفرانی، (۳۱) ابوالحسین احمد بن عبداللہ بن علی الناقد، (۳۲) ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن علی، (مستدرک الوسائل، ج ۳، ص ۵۲۳)

ما ورد فی اسناد تفسیر القمی

تفسیر قمی کے مقدمے میں آپ فرماتے ہیں: نحن ذاکرون و مخبرون بما ینتھی الینا و رواہ مشائخنا و ثقاتنا عن الذین فرض اللہ طاعتھم و اوجب رعایتھم ولا یقبل العمل الاّ بھم ۔ کہ ہم اس کتاب میں وہ روایات ذکر کریں گے جو ہم تک ثقہ رواۃ کے ذریعے پہنچی۔

و قال صاحب الوسائل: "قد شھد علی بن ابراھیم ایضًا بثبوت احادیث تفسیرہ و انھا مرویّۃ عن الثقات عن الائمّۃ ۔ صاحب وسائل نے کہا کہ علی بن ابراہیم نے بھی یہ گواہی دی ہے کہ ان کی تفسیر کی روایات ائمہ سے ثقہ افراد نے روایت کی ہیں۔

آقای خوئیؒ نے بھی کہا: یہ استفادہ صحیح ہے چونکہ علی بن ابراہیم اپنی تفسیر کی

Presented by Ziaraat.Com

وثاقت ثابت کرنا چاہتے تھے جو تمام رواۃ کی وثاقت کے بغیر ممکن نہیں صرف مشائخ کی وثاقت سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

ترجمة القمی

آپ علی بن ابراہیم بن ہاشم احد مشائخ الشیعہ فی اواخر القرن الثالث و اوائل القرن الرابع ، آپ مشائخ کلینی میں تھے آپ عصر امام عسکری علیہ السلام میں تھے اور ۳۰۴ میں فوت ہوئے۔ آپ کی طرف منسوب یہ تفسیر روائی تفسیر ہے اور بعض دفعہ اپنی نظر میں اس میں ذکر کرتے ہیں: علی بن ابراہیم سے تفسیر کو ان کے تلمیذ ابوالفضل عباس بن محمد بن القاسم بن حمزۃ بن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام بیان کرتے ہیں لیکن اصول رجالیہ میں ان کا ذکر موجود نہیں ہے ہاں آپ کے والد محمد اعرابی اور جد قاسم کا ذکر ملتا ہے۔

ہاں عباس کا ذکر کتب انساب میں موجود ہے لیکن موجودہ مطبوعہ تفسیر قمی یہ تنہا علی بن ابراہیم کی نہیں ہے بلکہ مخلوط ہے اس سے جو آپ نے اپنے شاگرد عباس کو لکھوائی اور ابی الجارود سے روایت کی۔ ابوالجارود کے بارے میں نجاشی کہتے ہیں: زیاد بن المنذر ابو الجارود الھمدانی الخار فی الاعمٰی..... کوفی کان من اصحاب ابی جعفر و روی عن ابی عبد اللّٰہ و تغیّر لمّا خرج زید.

شیخ نے رجال میں کہا: جارودیہ فرقہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ ظاہراً پہلے یہ امامی تھا زید کے خروج کے بعد اس کی طرف مائل ہو کر زیدی ہوگیا، اور کشی نے اس کی مذمت میں روایات نقل کی ہیں لیکن صدوق کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مذہب حق کی طرف لوٹ آیا تھا۔

بہرکیف جب تفسیر میں یہ تلفیق حاصل ہوگئی تو اس پر اعتماد مشکل ہو جائے گا

Presented by Ziaraat.Com

اور وہ شہادت جو مقدمہ میں ہے وہ بھی قابل اعتماد نہیں رہے گی۔ اس کے علاوہ بہت سے منصوص ضعفاء بھی اس کی اسناد میں واقع ہیں جیسے یہی ابو جارود، ابو جمیلہ مفضل بن صالح، علی بن حسان ھاشمی وعبدالرحمٰن عمہ، عمرو بن شمر، حسن بن علی بن ابی حمزہ بطائنی نیز سھل بن زیاد آدمی، نوفلی، معلّی بن خنیس، محمد بن فضیل، احمد بن السیاری، محمد بن سنان۔

نیز بہت سے مراسیل اور مقاطیع بھی وارد ہیں پس زیادہ سے زیادہ یہ توثیق ان کے مشائخ کو شامل ہوسکتی ہے چونکہ یہ چیز اس دور میں نقص شمار ہوتی تھی یعنی ضعیف سے بلاواسطہ نقل کرنا اور اس خاطر مصنفین اپنے دامن کو اس عیب سے بچانے کی خاطر کہتے تھے کہ ہم نے ثقات سے نقل کیا ہے کہ ہمارے مشائخ ثقہ ہیں لیکن بعد کے وسائط میں کسی ضعیف کے ہونے سے ان پر نقص وعیب وارد نہیں ہوتا تھا لہٰذا اس قسم کی توثیقات صرف ان کے مشائخ کو شامل ہوں گی دون غیرھم۔ (اور دوسرے رواۃ کو شامل نہیں ہوں گی)۔

اصحاب الصادق علیہ السلام

کہا گیا ہے کہ شیخ نے رجال میں جو اصحاب امام صادق علیہ السلام ذکر کئے ہیں وہ سب ثقہ ہیں شیخ مفید الارشاد میں فرماتے ہیں:

انّ اصحاب الحدیث قد جمعوا اصحاب الرواۃ عنہٗ من ثقات علی اختلافھم فی الایراد والمقالات فکانوا اربعۃ آلاف۔ علم حدیث والوں نے امام صادق علیہ السلام کے اصحاب کی تعداد چار ہزار لکھی ہے ان کے مختلف مذاہب و نظریات کے ساتھ۔

شیخ حر عاملی فرماتے ہیں: ولو قیل بتوثیقہ (خلید بن اوفی الشافی) و توثیق جمیع اصحاب الصادق علیہ السلام الّا من ثبت ضعفہ لم یکن

Presented by Ziaraat.Com

بعیدا لانّ المفید فی الارشاد وابن شهر آشوب فی معالم العلماء والطبرسی فی اعلام الوریٰ قد وثقوا اربعة الآف من اصحاب الصادق علیه السلام والموجود فی کتب الرجال و الحدیث لا یبلغون ثلاثة آلاف و ذکر العلامة وغیره انّ ابن عقدة جمع اربعة آلاف المذکورین فی کتب الرجال۔ (امل الآمل، ج ۱) شیخ حر عاملی کہتے ہیں: اگر خلید بن اوفی اور تمام اصحاب امام صادق علیہ السلام کی توثیق کا کہہ دیں تو بعید نہیں ہے کیونکہ شیخ مفید، ابن شہر آشوب اور طبرسی نے امامؑ کے چار ہزار اصحاب کو ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ کتب رجال میں امامؑ کے اصحاب تین ہزار تک ملتے ہیں، ہاں علامہ کے بقول ابن عقدہ نے حضرت کے چار ہزار اصحاب کے اسماء جمع کئے ہیں۔

شیخ طوسی ونجاشی نے ان رجال کی وثاقت کی بات نہیں کی۔ یہ شہادت خود شیخ مفید کی طرف سے ہے، شیخ طبرسی نے اعلام الوریٰ میں یہی بات کی ہے جبکہ محقق نے معتبر میں علامہ نے خلاصہ قسم ثانی میں ترجمہ ابن عقدہ میں تعداد چار ہزار رجال کی بات کی ہے لیکن ان کی وثاقت کا ذکر نہیں کیا۔ علامہ نوری نے خاتمہ مستدرک فائدہ ثامنہ میں ان سب اعلام کی عبارات کو ذکر کیا ہے۔

آقای خوئی فرماتے ہیں: یہ دعویٰ نا قابل تصدیق ہے کیونکہ اگر یہ مراد ہو کہ امام صادق علیہ السلام کے اصحاب چار ہزار افراد تھے اور وہ سب ثقہ تھے تو یہ دعویٰ تو بالکل اسی کے مشابہ ہے جو کہا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب صحابہ عادل تھے۔ جبکہ اصحاب صادق علیہ السلام میں سے کتنے ہیں جن کی تضعیف کی گئی ہے، ابو جعفر دوانیقی کو امام کے اصحاب میں سے شمار کیا گیا ہے کیا اس کی وثاقت کا حکم لگایا جا سکتا ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ امام صادق علیہ السلام کے اصحاب اس سے کہیں زیادہ تھے ان

Presented by Ziaraat.Com

میں سے ثقہ چار ہزار افراد تھے لیکن یہ بھی نا قابل تصدیق ہے اور شیخ نے رجال میں چار ہزار تو ذکر نہیں کئے تین ہزار سے کچھ زیادہ ہیں۔ (معجم رجال حدیث، ج ۱، ص ۷۱)

اور یہ ثابت نہیں کہ شیخ مفید انہی چار ہزار افراد کی طرف ناظر تھے جو ابن عقدہ نے ذکر کئے کیونکہ اور بھی مجموعہ رجالیہ موجود تھے اور شیخ نے کہا ہے کہ میں نے رجال میں وہ سب جمع کئے جو ابن عقدہ نے جمع کئے اور کچھ اضافات بھی کئے حالانکہ اس کے باوجود تین ہزار پچاس سے زیادہ جمع نہیں کر سکے بہرکیف یہ بات خلاف واقع ہے اور سب اصحاب صادق علیہ السلام کو ثقہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

۸۔ شیخوخۃ الاجازۃ

بعض مشائخ اجازہ جو کسی اصل یا روایت کا اجازہ دیتے ہیں کتب رجال میں موصوف بالوثاقۃ نہیں ہوتے۔ آیا ثقہ کا ان سے استجازہ ان کے ثقہ ہونے کی علامت ہے یا نہیں؟

وحید بہبہانی نے یہ کہا ہے کہ امارات وثاقت و مدح وقوۃ میں سے کسی شخص کا مشائخ اجازہ میں سے ہونا ہے: قال والمتعارف عدّة من اسباب الحسن و ربما یظهر من جدّی دلالة علی الوثاقة و کذا من المصنف فی ترجمة الحسن بن علی بن زیاد (تعلیقة الوحید البهبهانی علی منهج المقال).

شہید ثانی نے بھی ایسا کہا ہے کما سبق

شیخ تستری نے اس بارے میں مفصل گفتگو کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

کما انّ ما اشتهر عندهم من غناء مشائخ الاجازة عن التوثیق ایضًا کلام من غیر تحقیق و ممّا یوضح عدم صحته اجمالا انّ الشیخ صرّح بکون الحسن بن محمد بن اخی طاهر اجاز التلعکبری مع انّ

Presented by Ziaraat.Com

النجاشی قال انّه روی عن المجاهیل احادیث منکرة رایت اصحابنا یضعّفونه وابن الغضائری قال کان کذابا یضع الحدیث مجاهرة و یدّعی رجالاً غرباء لا یعرفون و یعتمد مجاهیل لا یذکرون و تحقیق الکلام و تفصیله ان یقال انّ الشیخ الاجازة امّا یجیز کتاب نفسه و فیه یشترط ثبوت وثاقته کغیره من الرواة مطلقاً الّا ان یکون جمیع احادیث کتبه مطابقا لاحادیث کتاب معتبر فیکون احادیثه مقبولة و ان کان فی نفسه ضعیفا ولذا قال الصدوق فی محمد بن اورمة المطعون فیه بالغلّو انّ ما فی کتبه ممّا یوجد فی کتب الحسین بن سعید وغیره فانّه یعتمد علیه و یفتی به و کلّ ما تفرّد به لم یجز العمل علیه ولا یعتمد و امّا یجیز کتاب غیره فان اجاز ما یکون نسبته الی مصنفه مقطوعة کاجازة الکافی و سائر الکتب الاربعة وما یکون نظیرها فلا احتیاج فی مثله الی التوثیق لانّ المراد مجرد اتصال السند لا تحصیل العلم بنسبته الی مصنّفه وان اجاز ما لا تکون نسبته مقطوعة یحتاج ایضًا جواز العمل بما اجازه الی توثیق کسائر الرولة ولذا قال ابن الولید کتب یونس بن عبد الرحمٰن التی هی بالروایات کلّها صحیحة معتمدة علیها الّا ما ینفرد به محمد بن عیسٰی ولم یروه غیره فانه لا یعتمد علیه ولا یفتی به. الخ . (قاموس الرجال، ج۱)

Presented by Ziaraat.Com

معروفة فی فهرس الکتب التی رویتها عن مشائخی و اسلامی﴾

جب ان مصنفین کی کتب معروف ومشہور ہوں تو ان تک صدوق کے طریق کی صحت وعدم صحت سے بحث کرنا بلافائدہ ہوگا۔ اسی طرح شیخ کی روایت از کتب معروفہ کا بھی یہی حکم ہوگا۔

پس جس کتاب یا اصول سے حدیث لی گئی ہے اس کی نسبت اس کے مصنف کی طرف مشہور ومعروف ہو مثل کتاب کافی یا اس سے کمتر۔ تو شیخ اجازہ کی عدم وثاقت مضر نہیں ہے چہ جائیکہ اس کی وثاقت محرز ومعلوم نہ ہو۔

محقق تستری نے بھی یہی بات کی ہے وہ فرماتے ہیں: **﴿بل یمکن ان یقال بعدم الاحتیاج الی ما فعل فی طرق شیخ الصدوق حیث انّه صرّح فی الفقیه بمعروفیة طرقه الی الکتب و ان الکتب فی نفسها مشهورة﴾**۔

۳۔ شیخ ایسی کتاب کی روایت کی اجازت دے جس کتاب کی نسبت اس کے مصنف تک ثابت نہ ہو مگر اسی شیخ مجیز کے ذریعے، اس میں بلاشک مجیز کی وثاقت عند المستجیز ثابت ہونا ضروری ہے ورنہ کتاب کی نسبت الی مؤلفہ ثابت نہیں ہو سکے گی، اس صورت میں ان کتب کے مصنفین تک کے طرق کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کتب کی نسبت ان کے مصنفین ومؤلفین تک ثابت ہو سکے اور یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا مگر اس صورت میں کہ اس سلسلہ سند کے تمام رواۃ مجیزین ثقہ ہوں، مستجیز کے لئے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا مگر جب اس کا شیخ مجیز اس کے نزدیک ثقہ ہو اور یہ وہ محل بحث صورت ہے کہ شیخوخۃ الاجازۃ دلیل وثاقت مجیز ہے نزد مستجیز۔ لیکن یہ صرف اس کی روایت کرنے سے ثابت نہیں ہو سکتی۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

الوکالۃ عن الامام

وثاقت کے اثبات کا ایک طریقہ جس سے استدلال ممکن ہے وکالت از طرف امام ہے کہ امام علیہ السلام کسی شخص کو کسی کام کے سلسلہ میں وکالت دیں تو اس سے کیا اس شخص کے ثقہ ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے؟ وکالت دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) وکالت بطور مطلق یعنی وکالت عامہ جیسا کہ سفراء اربعہ کی حاصل تھی، (۲) وکالت خاص یعنی کسی خاص جہت میں، پہلی طرح کی وکالت سے وکیل کی منزلت و شان کی رفعت و عظمت واضح ہوتی ہے اس میں تو کوئی اشکال نہیں ہے اشکال وکالۃ خاصہ میں ہے اس طرح کے وکلاء ائمہ کے بہت سے افراد تھے۔

ہر وکیل کی وثاقت پر کلینی کی اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے۔

عن علی بن محمد عن الحسن بن عبد الحمید قال شککت فی امر "حاجز" فجمعت شیئا ثمّ صرت الی العسکر فخرج الیّ لیس فینا شك ولا فی من یقوم مقامنا بأمرنا، ردّ ما معك الی حاجز بن یزید (کافی ج ۱، باب مولد الصاحب)۔ حسن بن عبدالحمید کہتے ہیں مجھے امامؑ کے وکیل حاجز بن یزید کے بارے شک ہوا تو میں نے محلّہ عسکر میں امامؑ کی خدمت میں نامہ لکھا تو ان کی طرف سے جواب آیا نہ ہم میں شک ہے نہ اس میں جو ہمارے حکم سے ہمارے قائم مقام ہے پس مال امام حاجز کے حوالے کر دو۔

یہ روایت اخص از مدعیٰ ہے اس لئے کہ یہ ان وکلاء کے بارے ہے کہ جو معروف تھے وکالۃ مطلقہ رکھتے تھے امر ائمہ کے ساتھ، جبکہ ہماری گفتگو وکالۃ خاصہ کے

Presented by Ziaraat.Com

بارے ہے۔

بعض نے کہا: وکیل اگر عادل نہ ہوتو رکون الی الظالم لازم آئے گا جو کہ حرام ہے۔

لیکن اس کے مقابل یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض وکلاء کے بارے مذمت بھی وارد ہوئی ہے، شیخ طوسی نے کتاب الغیبۃ میں ایک خاص باب منعقد کیا ہے ان وکلاء کے بارے جن کے بارے ذم وارد ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اگر کوئی شخص لمبی مدت کے لئے وکیل رہا ہو اور اس کے بارے کوئی ذم وارد نہ ہوئی ہو تو اسے اس کی وثاقت پر قرینہ بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ استاد جعفر سبحانی مدظلہ نے کلیات فی علم الرجال صفحہ ۳۴۵ میں کہا ہے۔

کثرۃ تخریج الثقۃ عن شخص

کسی شخص سے ایک ثقہ کثرت سے نقل کرے تو کیا یہ اس کی وثاقت کی دلیل ہے؟

جواب:۔ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ ثقات کا ضعفاء سے کثرت سے روایت کرنا ثابت ہے جیسا کہ صاحب نوادر الحکمۃ کے بارے وارد ہے: **کان ثقۃ فی الحدیث الّا انہ کان یروی عن الضعفاء.**

البتہ ضعاف سے روایت کرنا مشائخ کے درمیان ناپسندیدہ امر شمار ہوتا تھا اس وجہ سے احمد بن محمد بن عیسیٰ القمی نے احمد بن محمد بن خالد برقی کو قم سے نکال دیا تھا چونکہ وہ کثرت سے ضعاف سے نقل کرتے تھے۔ صاحب مستدرک محدث نوری نے کسی شخص سے ثقہ کے نقل کو اس کی وثاقت کی دلیل قرار دیا ہے اور ایسی وجوہ سے تمسک کیا ہے جو اسے ثابت نہیں کر سکتی۔

کتب اربعہ کے بارے بحث

ان کتب کے بارے گفتگو سے پہلے بعض اصطلاحات کی وضاحت ضروری ہے، چار اصطلاحیں رائج الاستعمال ہیں الکتاب، الاصل، التصنیف (المصنف)، النوادر۔ چونکہ کسی راوی کے بارے صاحب اصل و کتاب کہنے کو بعض نے اسباب مدح و وثاقت میں سے شمار کیا ہے لہٰذا یہ جاننا ضروری ہے کہ ان سے مراد کیا ہے اور اصول اربعمأۃ کیا ہے۔

(۱) الکتاب

کلمات علماء میں کتاب اپنے عام معنی میں استعمال ہوتی ہے یہ اصل و نوادر سے اعم ہے ان پر بھی کتاب کا اطلاق ہوتا ہے اور اصل پر کتاب کا اطلاق کثرت سے ہوا ہے جیسا کہ احمد بن محمد بن عمار کے ترجمہ میں شیخ فہرست میں فرماتے ہیں: **کثیر الحدیث و الاصول و صنّف کتبًا.** احمد بن میثم کے ترجمہ میں رجال میں شیخ فرماتے ہیں: **روی عنه حمید بن زیاد کتاب الملاحم و کتاب الدلالة و غیر ذلك من الاصول.** اسحاق بن جریر کے ترجمہ میں فہرس میں فرماتے ہیں: **له اصل۔** اور نجاشی نے رجال میں کہا **له کتابٌ۔** حسین بن ابی علاء کے ترجمہ میں فہرس میں کہا: **له کتاب یعدّ فی الاصول وغیرها۔**

اور اسباب بن سالم کے ترجمہ میں فہرس میں فرمایا: **لـه کتـاب اصـل۔** (صاحب ذریعہ نے ج ۲ صفحہ ۱۴۰ رقم ۵۲۲ پر کہا کہ یہ مطابق نسخہ صحیحہ فہرس ہے لیکن وہ جو فہرس کا مطبوعہ نسخہ ہے اس میں له اصل آیا ہے)۔

کتاب نوادر پر بھی بولی جاتی ہے جیسا کہ کہتے ہیں **لـه کتـاب النوادر۔** نجاشی نے احمد بن محمد بن یحییٰ کے ترجمہ میں کہا: **لـه کتـب لا یعرف منها الّا**

Presented by Ziaraat.Com

النوادر۔

(۲)الاصل

اصل کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں مصنف نے وہ روایات جمع کی ہوں جو اس نے معصوم علیہ السلام سے روایت کی ہوں یا راوی عن المعصوم سے۔

وحید بھبہانی فرماتے ہیں: بعض نے کہا ہے کتاب وہ ہے جو مبوّب و مفصّل ہو یعنی باب باب اور فصل فصل ہو جبکہ اصل میں اخبار و آثار جمع کئے جاتے ہیں بغیر ترتیب کے، لیکن یہ درست نہیں چونکہ بہت سے اصول مبوّب ہیں۔

سید مہدی بحر العلوم (م ۱۲۱۲) فرماتے ہیں: **الاصول فی اصطلاح المحدثین من اصحابنا بمعنی الکتاب المعتمد الذی لم ینتزع من کتاب آخر۔** (تنقیح المقال، ج ۱) کہ ہمارے محدثین کی اصطلاح میں اصول وہ قابل اعتماد کتاب ہے جو کسی اور کتاب سے نہ لی گئی ہو۔

عنایۃ اللہ قہپائی فرماتے ہیں: **فالاصل مجمع عبارات الحجة، والکتاب یشتمل علیه و علی الاستدلالات والاستنباطات شرعاً و عقلاً.** (مجمع الرجال، ج ۱، ص ۹)۔

آقا بزرگ الطہرانی کہتے ہیں: **الاصل هو عنوان صادق علی بعض کتب الحدیث خاصّة کما انّ الکتاب عنوان یصدق علی جمیعها..... و ذلك لانّ کتاب الحدیث ان کان جمیع احادیثه سماعاً من مؤلفه عن الامام او سماعاً منه عمّن سمع عن الامام فوجود تلك الاحادیث فی عالم الکتابة من صنع مؤلّفها وجود**

Presented by Ziaraat.Com

اصلی بدویّ ارتجالی غیر متفرع من وجود آخر فیقال له الاصل لذلك..... کما انّ اصل کلّ کتاب هو المکتوب الاوّلی منه الذی کتبه المولّف فیطلق علیه النسخة الاصلیة او الاصل لذلك الذی کتبه المؤلّف فیطلق علیه النسخة الاصلیة او الاصل لذلك۔

سید محسن امین ان تعاریف کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ سب حدس و تخمین ہیں۔ (اعیان الشیعہ، ج ۱، صفحہ ۴۹)

یہ اصطلاح پانچویں صدی ہجری کے شیعہ علماء کی کتب میں ظاہر ہوئی ہے یعنی شیخ مفید محمد بن محمد بن نعمان (م ۴۱۳)، شیخ ابو العباس النجاشی (م ۴۵۰) اور شیخ ابو جعفر الطوسی (م ۴۶۰) اور نجاشی و شیخ کی کتب رجال (فہرس) کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ اصل ایک عنوان مستقل ہے جو صرف بعض کتب حدیث پر بولا جاتا ہے شیخ مقدمہ میں فرماتے ہیں:

فانّی لمّا رایت جماعة من شیوخ طائفتنا من اصحاب الحدیث عملوا فهرست کتب اصحابنا..... ولم یتعرض احد منهم باستیفاء جمیعه الّا ما قصده ابو الحسین احمد بن الحسین بن عبید الله الغضائری فانّه عمل کتابین احدهما ذکر فی المصنّفات و الآخر ذکر فیه الاصول ۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے بزرگ اصحاب حدیث نے کتب اصحاب کی فہرست قرار دی ہے۔۔۔ لیکن سب نے پوری فہرست نہیں دی سوائے اس کے جو ابن الغضائری نے کام کیا، انہوں نے اس عنوان سے دو کتابیں لکھی ایک تصنیفات کے بارے اور دوسری اصول کے بارے۔

(۲) احمد بن محمد سیرافی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں: له کتب فی الفقه

Presented by Ziaraat.Com

علی ترتیب الاصول۔

(۳) ترجمہ بندار بن محمد بن عبداللہ میں فرمایا: لہ کتب منها کتاب الطهارة..... علی نسق الاصول۔

اس کے باوجود شیخ طوسیؒ نے کہیں بھی اصل کے مفہوم کی طرف اشارہ نہیں کیا، اصل اور کتاب میں شخصیت مؤلف فارق نہیں ہوسکتی جیسا کہ اسماعیل بن مہران بن محمد بن ابی نصر السکونی کے بارے شیخ فرماتے ہیں: صنّف مصنفات کثیرة فیها کتاب الملاحم و کتاب ثواب القرآن و کتاب خطب امیر المؤمنین ، پھران کی اسناد ذکر کیں اور کہا: وله اصل اخبرنا به عدّة من اصحابنا۔

زکار بن یحییٰ الواسطی کے بارے کہا: له کتاب الفضائل وله اصل ۔اور نہ فارق نہ یہ قرار دے سکتے ہیں کہ اصل میں نقل از معصومینؑ ہوتا ہے کیونکہ کئی ایسی صفات والی اصول کو کتاب کہا گیا ہے جیسا کہ کتاب سلیم بن قیس۔ البتہ زیادہ تر اصحاب اصول عصر امام صادق علیہ السلام سے ہیں جیسا کہ:

(۱) امین الاسلام طبرسی نے اعلام الوریٰ میں کہا ہے (م ۵۴۸) روی عن الامام الصادقؑ من مشهوری اهل العلم اربعة آلاف و صنّف من جواباته فی المسائل اربعمائة کتاب تسمّی الاصول رواها اصحابه و اصحاب ابنه موسی الکاظمؑ۔

(۲) شہید اول نے ذکری میں کہا: کتب من اجوبة الامام الصادقؑ اربعمائة مصنّف لاربعمائة مصنّف۔

(۳) محقق اوّل نے بھی معتبر میں یہی کہا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

(۳) مصنّف

شیخ طوسیؒ نے فہرس کے دیباچہ میں کہا: ابن غضائری نے دو کتابیں لکھی ایک مصنفات کے بارے میں ہے اور دوسری میں اصول ذکر کئے۔

ھارون بن موسیٰ التلعکبری کے ترجمہ میں کہا: **روی جمیع الاصول و المصنفات**۔ اسی بناء پر محقق تستری فرماتے ہیں کہ اصل و تصنیف میں تقابل ہے اور کتاب اعم ہے۔ اور تصنیف وہ ہے کہ جس کی تمام یا اکثر احادیث اس سے سابق لکھی ہوئی کتاب سے لی گئی ہوں یا اس میں مصنف کی اپنی کلام اتنی زیادہ ہو کہ اسے کتاب روایت ہونے سے خارج کر دے لیکن وحید بھبہانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف اعم از اصل و نوادر ہے جیسا کہ احمد بن میثم کے ترجمہ میں شیخ فہرس میں کہتے ہیں: **لہ کتاب الدلائل کتاب المتعة، کتاب النوادر، کتاب الملاحم۔**

استاد جعفر سبحانی فرماتے ہیں کہ ہماری نظر میں اقویٰ یہ ہے کہ کتاب و مصنف دو مترادف اصطلاحیں ہیں دونوں سے مراد وہ کتب ہیں جو اصحاب نے تدوین کی ہیں اور اصل کتاب کی قسم خاص ہے۔

(۴) النوادر

نجاشی نے بہت سے اصحاب کے لئے کتاب النوادر ذکر کی ہیں جو کہ تقریباً ۱۵۰ موارد ہیں ان موارد کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ نوادر ان کتب کو کہا جاتا ہے کہ جن کا کوئی موضوع معیّن نہ ہو یا ان کی روایات کو شہرت محققہ حاصل نہ ہو۔

صاحب ذریعہ فرماتے ہیں: **انّ النوادر عنوان عام لنوع من مؤلفات الاصحاب فی القرون الاربعة الاولیٰ کان یجمع فیها الاحادیث غیر المشهورة او التی تشتمل علی احکام غیر متداولة و**

Presented by Ziaraat.Com

استثنائية او مستدرکه لغيرها۔ (ج ع ۲، ص ۳۱۰) یعنی پہلی چار صدیوں کے ہمارے مصنفین کی ان کتب کو نوادر کہا جاتا ہے جن میں غیر مشہور احادیث جمع کی گئی ہوں یا غیر رائج احکام یا استثنائی احکام پر مشتمل ہوں یا کسی دوسری کتاب کے استدراک کے طور پر لکھی گئی ہو۔

وحید بہبانی فرماتے ہیں: امّا النوادر فالظاهر انّ ما اجتمع فيه احاديث لا تضبط في باب لقلّة بان يكون و احداً او متعدداً لكن يكون قليلا جداً..... و ربما يطلق النادر على الشاذ..... والشاذ ما رواه الراوی الثقة مخالفا لما رواه الاكثر وهو مقابل المشهور..... و نقل عن بعض انّ النادر ما قلّ روايته و ندر العمل به..... و ادعى انه الظاهر من كلام الاصحاب..... ولا يخلو عن تامّل۔

یعنی نوادر وہ کتاب ہے کہ جس میں ایسی احادیث جمع کی گئی ہوں جو کم ہونے کی وجہ سے کسی ضابطہ میں نہ آ سکیں، بعض دفعہ شاذ کو بھی نادر کہا جاتا ہے۔۔۔ اور شاذ سے مراد وہ روایت ہے جسے ثقہ راوی روایت کرے لیکن وہ مشہور روایت کے مخالف ہو، بعض نے کہا: نادر یعنی جسے کم روایت کریں اور اس پر عمل بھی کم ہو اور دعویٰ کیا کہ یہی کلام اصحاب سے ظاہر ہے لیکن یہ بات اشکال سے خالی نہیں ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

اهمية الاصول

شیخ بہائی مشرق الشمسین میں فرماتے ہیں: **فی جملة ما یوجب حکم قدماء الاصحاب بصحة الاحادیث امور منها وجوده فی کثیر من الاصول الاربعمائة المشهورة او تکرّره فی اصل واحد او اصلین منها بطرق مختلفة و اسانید عدیدة مختلفة او وجوده فی اصل معروف الانتساب الی احد اصحاب الاجماع** ۔قدماء اصحاب نے جو احادیث کی صحت کا حکم لگایا اس کی وجہ کئی امور ہیں، ان میں سے یہ کہ حدیث اصول اربع مأۃ مشہورہ میں ہو یا ان میں سے کسی ایک میں وہ حدیث مختلف اسناد کے ساتھ تکرار کے ساتھ موجود ہو یا کسی ایسی اصل میں ہو جس کی نسبت اصحاب اجماع میں سے کسی ایک کی طرف معروف ہو۔ (مشرق الشمسین (حبل المتین) صفحہ ۲۶۹)

محقق داماد الرواشح السماویہ میں فرماتے ہیں: **یقال قد کان من دأب اصحاب الاصول انهم اذا سمعوا من احدهم حدیثاً بادروا الی ضبطه فی اصولهم من غیر تاخیر** ۔صاحبانِ اصول کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی سے حدیث سنتے تو فوراً اسے اپنے اصول میں لکھ لیتے۔

آقا بزرگ تہرانی فرماتے ہیں: **ومن الواضح انّ احتمال الخطاء و الغلط والسهو والنسیان وغیرها فی الاصل المسموع شفاها عن الامام او عمّن سمع عنه اقلّ منها فی الکتاب المنقول عن کتاب آخر لتطرّق احتمالات فی النقل عن الکتاب فالاطمینان بصدور عین**

Presented by Ziaraat.Com

الالفاظ المتدرجة فی الاصول اکثر والوثوق به آکد۔ غلطی ونسیان کا احتمال اس اصل میں کم ہے جو خود معصوم سے سنی گئی ہو اس کی نسبت جو کسی دوسری کتاب سے نقل کی گئی ہو لہٰذا اصول میں خود معصوم کے الفاظ کا ہونا زیادہ مورد اطمینان ہے۔ (الذریعہ، ج ۲، ص ۱۲۶)

اصول اربعمأۃ (چار سو اصول یعنی بنیادی کتب)

بہت سے محدثین و مؤرخین نے کہا کہ اصحاب ائمہ علیہم السلام نے اصول تصنیف کئے اور انہوں نے ائمہؑ سے جو سنا اسے لکھ لیا تا کہ سہو ونسیان سے محفوظ رہے تا کہ اس میں دس وتصحیف واقع نہ ہو۔

لیکن ان اصول کی تعداد کیا تھی اس کی تعداد نہ تحقیقاً ثابت ہے نہ تقریباً۔ شیخ طوسی نے اول فہرس میں کہا: عدد تصانیف واصول اصحاب کا مضبوط نہ ہونا اس وجہ سے تھا کہ اصحاب مختلف شہروں میں متفرق تھے۔

ہاں محقق حلی (اول)، امین الاسلام طبرسی، شہید اول، شیخ عبد الصمد عاملی، سید داماد اور شہید ثانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان اصول کی تعداد چار سو سے کم نہیں تھی اور ان میں سے اکثر مصنفین اصحاب امام صادق علیہ السلام میں سے تھے۔ جیسا کہ (۱) محقق اول نے معتبر میں کہا: کتب من اجوبة مسائله (امام جعفر صادقؑ) اربعمائة مصنّف سمّوها اصولا۔ امام صادق علیہ السلام سے سوالات کے جوابات پر مشتمل چار سو کتب لکھی گئی جنہیں اصول کا نام دیا گیا۔

(۲) محقق داماد نے الرواشح میں کہا: المشهور ان الاصول اربعمائة مصنّف لاربعمائة مصنِّف من رجال ابی عبد الله علیه السلام بل وفی مجالس السماع و الروایة عنه و رجاله زهاء اربعة آلاف رجل، و

Presented by Ziaraat.Com

کتبهم و مصنفاتهم کثیرة الّا انّ ما استقر الامر علی اعتبارها و التعویل علیها و تسمیتها بالاصول هذه الاربعمائة۔ مشہور یہ ہے کہ اصول چار سو کتب ہیں چار سو مصنفین کی طرف سے امام صادق علیہ السلام کے اصحاب سے اگرچہ آپ کی مجالس میں چار ہزار افراد حاضر ہوتے اور ان کی کتب بہت زیادہ تھیں لیکن وہ جن پر اعتماد و بھروسہ تھا اور انہیں اصول کہا گیا یہی چار سو کتب ہیں۔

طبرسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان اصول کے مصنفین امام صادق علیہ السلام اور امام کاظم علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔

لیکن غیر مفید سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دو ائمہؑ کے اصحاب کے ساتھ اصحاب اصول خاص نہیں ہیں بلکہ عہد امیر المومنینؑ سے لے کر عصر امام عسکریؑ تک امامیہ نے چار سو کتابیں لکھیں جنہیں اصول کہا گیا البتہ اس سے یہ مراد نہیں کہ کتب ہی صرف اتنی لکھی گئی بلکہ مراد یہ ہے کہ چار سو اصول ہیں لیکن شیخ طوسی و نجاشی نے جو اصول ذکر کئے ہیں وہ ایک سو سے زیادہ نہیں ہیں۔ خصوصاً شیخ طوسی نے تو اس بارے استقصاء کا وعدہ بھی کیا پھر بھی ۹۰ سے زیادہ اصول ذکر نہیں کر سکے جبکہ ان میں سے بعض کو نجاشی اصل کہتے ہی نہیں، اگر یہ اصول چار سو تھے تو ان دونوں بزرگوں نے انہیں ذکر کیوں نہیں کیا۔

اور درایۃ الحدیث میں محمد حسین حسینی الجلالی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اصل اپنے اس معنی کے مطابق یعنی وہ حدیث کی کتاب جس میں امام صادق علیہ السلام سے مسموع روایات جمع ہوں۔ یہ اصول سو سے زیادہ نہیں ہیں اور مشہور نے جو تعداد ذکر کی وہ اصل کی اس تعریف کے پیش نظر ہے کہ **انّه الکتاب المعتمد او المصدر الحدیثی الذی لم ینقل عن کتاب آخر۔** یعنی وہ قابل اعتماد کتاب یا حدیثی

Presented by Ziaraat.Com

مصدر جو کسی دوسری کتاب سے نہ لی گئی ہو۔ اور شیعہ کے حدیثی مصادر کی تعداد چھ ہزار چھ سو کے لگ بھگ ہے جیسا کہ سید محسن امین نے تحدید کی ہے ان میں سے قابل اعتماد کتب کی تعداد چار سو ہو سکتی ہے۔ اس بناء پر کہا گیا اصول چار سو ہیں۔

اصول کیوں ضائع ہو گئے؟

یہ کتب کسی خاص ترتیب پر نہیں تھیں چونکہ ان میں سے اکثر مجالس سوال و جواب میں املاء کی گئی تھیں اصحاب جوامع نے انہیں مرتب و مبوب کر دیا تا کہ ان سے استفادہ آسان ہو جب جوامع روائی کی تصنیف ہو گئی تو ان اصول کی طرف توجہ کم ہو گئی ان کے استنساخ کی ضرورت و رغبت کم ہوتی چلی گئی جس کی وجہ سے ان کے نسخے کمیاب ہو گئے اور قدیمی نسخے ضائع ہوتے چلے گئے، جبکہ ان میں اکثر تو تاریخی حوادث میں ضائع ہو گئے مثلاً ان میں سے جو اصول کرخ میں سابور کے مکتبہ میں تھے طغرل بیگ جب ۴۴۸ میں بغداد میں وارد ہوا تو اس مکتبہ کو آگ لگا دی گئی۔

ان میں سے کچھ ابن ادریس حلی (م ۵۹۸) تک باقی تھے انہی سے مستطرفات سرائر کو تشکیل دیا گیا، ان میں سے کچھ سید بن طاؤس کو بھی ملے جیسا کہ وہ کشف المحجہ میں ذکر کرتے ہیں، پھر مزید تلف ہوئے اور ان میں سے صرف سولہ (۱۶) نسخے باقی رہ گئے۔

محدث نوری نے مستدرک میں مختلف موارد میں ان اصول کو مندرج کیا ہے۔ سید حسن صدر کو ۱۶ نسخے ملے ہیں اور شیخ مصطفوی نے ۱۶ نسخے چھاپے ہیں۔

وثاقت اصحاب الاصول

اگر چہ یہ اصول قابل اعتماد کتب شمار ہوتے تھے اور مصنفین ان کے ضبط و حفظ پر سختی سے کاربند تھے اور بقول شیخ طوسی کے اصحاب ان چار سو اصول کو صحیح سمجھتے تھے اور

Presented by Ziaraat.Com

ان پر عمل کرتے تھے لیکن اس کے باوجود کسی راوی کا صاحب تصنیف یا صاحب اصل ہونا اس کی وثاقت یا مدح کی دلیل ہو یہ معلوم نہیں ہے کیونکہ ان اصول کے مصنفین میں سے کافی سارے مذاہب فاسدہ کے پیرو تھے جیسے واقفہ وفطحیہ اگرچہ ان کی کتب مورد اعتماد تھیں اور قدماء میں کسی راوی کی صحت حدیث سے اس کی وثاقت ثابت نہیں ہوتی۔

جوامع الحدیث

ان اصول اربعمائیہ کے بعد تالیف ہونے والی کتب جوامع الحدیث تھیں جن کے مصنفین نے انہی اصول پر اعتماد کیا، ان کی تہذیب وتبویب کی، ان جوامع میں سے مشہور ترین الجامع لابی نصر البزنطی، الجامع لابی طاھر الورّاق الحضرمی محمد بن ابی تسنیم ہے، الجامع لمحمد بن احمد بن یحییٰ الاشعری اور الجامع لابی جعفر بن حسن بن احمد بن الولید (م۳۴۳) ہے۔

یہ جوامع شیعہ میں اواخر قرن رابع تک موردِ عمل تھے۔ اس کے بعد تین نفراز علماء شیعہ نے چار کتب احادیث تالیف کیں اور وہ کتب اربعہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ انہوں نے ان کی تالیف میں ان اصول و جوامع پر اعتماد کیا اور یہ کتب اربعہ آج تک موردتوجہ ہیں شیعہ کی طرف سے۔

ان کے بعد جوامع متاخرہ تالیف ہوئے جو کہ روایات اہل بیتؑ کے دائرۃ المعارف شمار ہوتے ہیں یہ تین ہیں:

(۱) تفصیل وسائل الشیعہ الی تحصیل احکام الشریعۃ للشیخ محمد بن حسن الشھیر بہ الحر العاملی (م۱۱۰۳)

(۲) الوافی: تالیف الشیخ محمد محسن المعروف بالفیض الکاشانی (م ۱۰۹۱) آپ نے اس کے بعد النوادر لکھی جو کہ وافی کے لئے مستدرک شمار ہوتی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

(۳) بحار الانوار: تالیف: الشیخ محمد باقر المجلسی (م ۱۱۱۱)۔

ان کے علاوہ بھی حدیثی موسوعے لکھے گئے جیسے:

(۱) عوالم العوالم، تالیف: شیخ عبداللہ البحرانی یہ ۲۵ جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۲) جامع الاحکام، تالیف: سید عبداللہ شبیر، یہ بھی ۲۵ جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۳) جوامع الاحکام، تالیف: سید محمد بن شرف الدین الجزائری۔

(۴) جامع احادیث شیعہ، تالیف: سید حسین بروجردی (متولد ۱۳۸۰)

کتب اربعہ

(کتاب الکافی، من لایحضرہ الفقیہ، تہذیب الاحکام، الاستبصار)

کتاب الکافی، تالیف: شیخ محمد بن یعقوب الکلینی البغدادی (م ۳۲۹ھ)

کتب اربعہ میں یہ سب سے معروف ہے جسے شیخ مفید فرماتے ہیں: **فانہ اجلّ کتب الشیعۃ و اکثرھا فائدۃ**۔ (شرح عقائد صدوق، ص ۳۷)

نجاشی شیخ کلینیؒ کے ترجمہ میں کہتے ہیں: **کان اوثق الناس فی الحدیث و اثبتھم صنف الکتاب الکبیر المعروف بالکلینی و یسمّٰی الکافی فی عشرین سنۃ**۔ کہ کلینی حدیث میں موثق ترین اور اضبط ترین تھے، آپ نے اپنی معروف عظیم کتاب کافی بیس سال میں لکھی اور آپ کی وفات ۳۲۹ ہجری سنہ تاشر نجوم میں بغداد میں ہوئی اور باب الکوفہ میں دفن ہوئے۔

شیخ طوسی نے آپ کی وفات ۳۲۸ میں نقل کی ہے، آپ کی نسبت کلین کی طرف ہے جو کہ قم اور تہران کے درمیان ایک بستی کا نام ہے اور وہیں پر آپ کے والد کی قبر ہے۔

مرحوم مامقانی نقل کرتے ہیں: **و یقال ان جامعہ الکافی الذی لم**

Presented by Ziaraat.Com

یصنف مثله فی الاسلام عرض علی القائم عجل اللّٰه فاستحسنه و قال کافٍ لشیعتنا۔ کہ کہا جاتا ہے کہ آپ کی کتاب کافی جس جیسی اسلام میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی امام زمان علیہ السلام پر پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا: اچھی ہے اور ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے۔

امّا الکتاب

یہ کتاب ۱۶۱۹۹ روایات پر مشتمل ہے ۳۴ کتابوں پر اور ۳۳۲۶ ابواب پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ۵۰۷۲ حدیث صحیح، ۳۰۲ قوی، ۹۴۸۵ حدیث ضعیف، ۱۴۴ حسن اور ۱۱۱۸ موثق ہیں اور ۱۷۲ کو قوی کہا گیا ہے (لولوۃ البحرین للمحدث البحرانی)

محدث نوری نے کہا: قوی سے مراد وہ حدیث ہے جس کے رجال میں سے بعض ممدوح غیر امامی ہوں اور کوئی ضعیف نہ ہو۔

شہید نے ذکری میں کہا: کافی میں جتنی احادیث ہیں یہ صحاح ستہ کی مجموع احادیث سے زیادہ ہیں۔

شیخ حسین بن عبدالصمد حارثی فرماتے ہیں: کان (کلینی) اوثق الناس فی الحدیث وانقدھم و اعرفھم به صنّف الکافی و ھذّب به و بوّبه فی عشرین سنة وھو مشتمل علی ثلاثین کتابًا یحتوی ما لا یحتوی غیرہ۔ (اصول الاخبار، ص ۷۰)

محدث نوری فرماتے ہیں کہ کافی ''اجلی من غیرہ من حیث الاعتبار و الاعتماد لانّه جمع الاصول الاربعمائة لانّھا کانت تمامھا موجودة فی عصرہ کما یظھر من ترجمة ابی محمد ھارون بن موسیٰ التلعکبری (م ۳۸۵) و قد جاء فی ترجمته انّه روی جمیع الاصول

والمصنّفات ۔(مستدرک، ج ۳،ص ۵۳۲) کافی اعتبار واعتماد کے لحاظ سے دوسری کتب سے زیادہ معتبر ہے کیونکہ آپ نے اصول اربعماۃ کو جمع کیا ہے اس لئے کہ وہ سب کے سب آپ کے زمانے میں موجود تھے جیسا کہ ہارون بن موسیٰ تلعکبری کے ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

اسلوب التالیف

شیخ کلینیؒ مقدمہ میں فرماتے ہیں:

اما بعد فقد فهمت يا اخي ما شكوت على اصطلاح اهل دهرنا على الجهالة و توازرهم و سعيهم في عمارة طرقها و مباينتم العلم و اهله حتى كاد العلم معهم ان يازر كله و ينقطع مواده الى ان قال و ذكرت ان اموراً اشكلت عليك لا تعرف حقائقها لاختلاف الرواية فيها و انك تعلم ان اختلاف الرواية فيها لاختلاف عللها و اسبابها و انك لا تجد بحضرتك من تذاكره و تفاوضه ممن تثق بعلمه فيها و قلت انك تحبّ ان يكون عندك كتاب كافٍ يجمع من جميع فنون علم الدين ما يستكفي به المتعلم و يرجع اليه المترشد و ياخذ فيه من يريد علم الدين و العمل به بالآثار الصحيحة عن الصادقين، والسنن القائمة التي عليها العمل وبها يودّى فرض الله عزوجل و سنّة نبيّه..... و قد يسّر الله، وله الحمد. تاليف ما سئلت و ارجو ان يكون بحيث توخيت فمهما كان فيه من تقصير فلم تقصير نيتنا في اهداء النصيحة اذ كانت واجبة لاخواننا و اهل ملتنا..... ان تاخّر الاجل صنفنا كتابا اوسع و اكمل منه نوفّيه

Presented by Ziaraat.Com

حقوقه کلّها ان شاء اللّٰہ۔

کافی کے تین جزء ہیں: اصول، فروع اور روضہ، کافی ۸ جزؤں میں چھپ چکی ہے دو جزء اصول ہے ۳ سے ۷ تک فروع ہے اور آخری جزء روضہ ہے۔

یہاں ایک دعویٰ خلیل بن غازی القزوینی متوفی ۱۰۸۹ نے کیا ہے کہ روضہ شیخ کلینی کی تالیف نہیں ہے بلکہ ابن ادریس کی تالیف ہے یہ دعویٰ باطل ہے وحدۃ اسلوب شاہد ہے کہ یہ جزء کافی ہے۔ بقیہ علماء نے بھی یہی کہا اور ابن ادریس کی کتب میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔

کلینیؒ نے اس طرح کتاب کا اسلوب رکھا کہ ایک حصہ اصول وعقائد کے لئے قرار دیا، ایک حصہ فروع وفقہ کے لئے اور ایک حصہ باقی بچا جو ان دونوں میں داخل نہیں تھا اس کے لئے تیسری قسم قرار دی اور اسے روضہ کا نام دیا جو متفرق احادیث پر مشتمل ہے۔

کافی کا امتیاز یہ ہے کہ اس کا مؤلف عصر غیبت صغریٰ میں تھا (از ۲۶۰ تا ۳۲۹ ہجری) اس بات کی طرف سب سے پہلے سید علی بن طاؤس (ت ۶۶۴) نے اشارہ کیا اپنی کتاب کشف المحجۃ میں صفحہ ۱۵۷ پر۔

قطعیۃ وصحت روایات کافی

بعض اس کے قائل ہیں کہ کافی کی تمام روایات صحیح ہیں لہٰذا اس کی اسانید میں نظر کی ضرورت نہیں ہے۔

آقای خوئی فرماتے ہیں: **ذکر غیر واحد من الاعلام انّ روایات الکافی کلها صحیحة لا مجال لرمی شئ فها بضعیف سندها و سمعت شیخنا الاستاذ الشیخ النائینی فی مجلس بحثه یقول انّ**

Presented by Ziaraat.Com

المناقشة فی اسناد روایات الکافی حرفة العاجز۔

(معجم رجال الحدیث، ج۱، صفحہ ۹۹)

آقای خوئی اس دعویٰ کا جواب دیتے ہیں کہ خود سائل نے جو تالیف کتاب کا سوال کیا اس میں ایسی کوئی شرط نہیں تھی کہ اس میں غیر صحیحہ روایات نہ ہوں جبکہ کلینیؒ نے غیر معصومینؑ سے بھی نقل کیا ہے جیسا کہ ابن نعیم الطحان کی کتاب سے نقل کیا ہے: **من قضاء الجاهية ان يورّث الرجال دون النساء۔**

اور اگر فرضاً مان لیں کہ کلینی نے صحت روایات کی شہادت دی ہو تو بھی یہ قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اگر ان کی مراد یہ ہو کہ آپ کی کتاب کی تمام روایات شرائط حجیۃ پر پوری اترتی ہیں تو یہ درست نہیں ہے چونکہ اس میں مرسلات و مجاہیل کی روایات اور ابن البختری جیسے کذابین کی روایات موجود ہیں اور اگر صحت سے مراد صحیح باصطلاح القدماء ہے کہ جو روایت قرائن دالہ برصحت پر مشتمل ہے اگرچہ فی نفسہ شرائط صحت نہ رکھتی ہوں ایسا اگرچہ ممکن ہے لیکن روایات غیر واجدہ شرائط الحجیۃ اتنی زیادہ ہیں کہ سب کے بارے امارات صدق کا دعویٰ بعید لگتا ہے۔

محدث نوری نے بھی ایسا دعویٰ کیا ہے، آپ سید ابن طاؤس کی کلام نقل کرتے ہیں کہ شیخ کلینی وکلاء امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ الشریف کے زمانے میں زندہ تھے اور آپ کی وفات علی بن محمد السمری کی وفات سے پہلے ہوئی ہے پس آپ کی تصانیف زمان وکلاء میں تھی **فی وقت یجد طریقا الی تحقیق منقولاته و تصدیق مصنّفاته**۔ اس کی تشریح وتفصیل میں محدث نوری کہتے ہیں کہ ۲۰ سال میں آپ نے کافی تالیف کی، بہت بعید ہے کہ اس مدت میں آپ نے ان نواب پر اسے پیش نہ کیا ہو آپ تھے بھی بغداد میں ان کے ذریعے حضرت حجت علیہ السلام سے اس کی اخبار کے

Presented by Ziaraat.Com

بارے استفسار کر سکتے تھے جبکہ کتاب کو امامؑ کے نوّاب پر پیش کرنا مرسوم بھی تھا جب شلمغانی نے کتاب التکلیف لکھی تو حسین بن روح نے کہا: **اطلبوا لی لانظرہ**، وہ کتاب میرے پاس لے آؤ تا کہ میں اس میں نظر کروں۔ بہت بعید ہے کہ وکلاء میں سے کسی نے بھی کلینی سے اس کتاب کو طلب نہ کیا ہو جبکہ تمام شیعہ کی خاطر لکھی جا رہی تھی۔

محدث نوری کا یہ دعویٰ موقوف ہے اس پر کہ کلینی بغداد میں رہتے ہوں اور آپ نواب امامؑ کے ساتھ میل جول رکھتے ہوں اور ثانیاً جو جہت کتاب التکلیف کو طلب کرنے کی تھی وہ کافی میں بھی موجود تھی۔

یہ دونوں امر ثابت نہیں ہیں۔

امّا الاول، تو کلینی ری کے رہنے والے تھے نجاشی نے آپ کے ترجمہ میں تصریح کی ہے **شیخ اصحابنا فی وقتہ بالری** ۔آپ ری میں رہتے تھے اور وہیں کافی کو تالیف کیا۔ آپ آخر عمر میں بغداد منتقل ہوئے تھے۔ بعض نے آخری دو سال کا کہا ہے تب تک اس کے نسخے مشہور ہو چکے تھے اور پھیل چکے تھے۔

آپ کی مخالطت و معاشرت وکلاء کے ساتھ ثابت نہیں ہے آپ نے کافی میں کسی نائب سے روایت نہیں کی اگر ربط و میل جول ہوتی تو ان سے نقل کرتے۔

ثالثاً: اگر آپ نے نواب پر اسے پیش کیا ہوتا تو مقدمہ میں اس کا ذکر کرتے چونکہ دیباچہ آپ نے بعد میں لکھا ہے۔

وامّا الثانی کتاب التکلیف کو طلب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ کہیں مؤلف نے اپنے انحراف کی وجہ سے اس میں ایسی باتیں نہ لکھ دی ہوں جو معصومینؑ نے نہیں فرمائی چونکہ کتاب التکلیف بمنزلہ رسالہ عملیہ تھی، یہ وجہ کتاب الکافی میں موجود نہیں ہے جس

Presented by Ziaraat.Com

کے بارے قطع ہے کہ وہ ائمہ پر کذب نہیں کہہ سکتے لہٰذا اسے عرضہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی ورنہ دوسری کتب جیسے کتاب البزنطی، محاسن البرقی، نوادر الحکمۃ اشعری وغیرہ کو بھی عرضہ کرنا ضروری ہوگا۔

اس کے علاوہ کسی ایک وکیل پر پیش کرنا امامؑ پر پیش شمار نہیں ہوتا کیونکہ نواب چونکہ عارف تھے آثار ائمہؑ کو اس لئے ان پر عرضہ ہوتا تھا کتاب التکلیف کے بارے بھی حسین بن روح نے یہی کہا: لا نظرہ میں اسے دیکھوں نہ کہ امام کو دکھلاؤں۔ ورنہ خود انہوں نے کتاب التادیب لکھی تو اسے قم بھیجا فقہاء کے پاس کہ اسے دیکھیں، جبکہ نواب کے پاس بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ ماہر بالحدیث ہیں اسے دیکھیں تو کلینی ان سے زیادہ ماہر تھے حدیث کے بارے۔

کافی کی خصوصیات

شیخ کلینیؒ عام محدثین کی اصطلاحات کو استعمال نہیں کرتے بلکہ اخبرنی اور حدثنی و حدثنا یا اخبرنا کی لفظیں وہ بھی اپنے لغوی معنی میں استعمال کرتے ہیں دون الاصطلاحی۔

ا۔ جمع الاسانید

اسناد میں تکرار کی طوالت سے بچنے کے لئے آپ بعض کو بعض پر عطف کرتے ہوئے مختصر کرتے ہیں مثلاً علی بن ابراھیم عن ابیہ و الحسین بن محمد بن عبد ربّہ عامر وغیرہ و محمد بن یحییٰ عن احمد جمیعا عن احمد بن محمد بن ابی نصر۔ آپ نے یہاں اپنے تین مشائخ سے جن کی اسانید کے ساتھ روایت کی ہے آخر سند میں بھی ایسا کرتے ہیں جیسے محمد بن اسماعیل عن الفضل بن شاذان عن صفوان بن یحییٰ و علی بن

Presented by Ziaraat.Com

ابراهیم عن حماد بن عیسیٰ جمیعا عن معاویه بن عمار ۔

التثبّت فی الاسناد:

جہاں آپ کے لئے سند میں حقیقت ظاہر نہ ہو وہاں آپ تصریح کر دیتے ہیں تا کہ احتمال تدلیس نہ ہو جیسے: عن سهل بن زیاد عن بعض اصحابه اظنّه محمد بن اسماعیل، (کافی، ج ٦) ۔ یا عن بعض اصحاب ابی عبد اللّٰه اظنه ابا عاصم السجستانی (ج ٦) ۔

سقط التعلیق

کافی جیسی بڑی کتاب میں سقط کا واقع ہونا طبیعی سی بات ہے مثلاً کہا:

﴿بعض اصحابنا... سقط عنی اسناده. عن ابی عبداللّٰه قال انّ اللّٰه لم یترك شیئا ممّا یحتاج الیه الاّ علّمه بنیّه﴾ (کافی، ج ۷، ص ۳۷۶)

یہ بھی اسلوب کلینی ہے بعض غیر ماہر اسے قطع فی الاسناد سمجھ سکتے ہیں آپ بہت سی احادیث کو ذکر کرتے ہیں جن کی سند ایک ہوتی ہے پہلی میں مکمل لکھتے ہیں باقی میں و عنه کہہ دیتے ہیں مثلاً:

(۱) علی عن ابیه عن ابن ابی عمیر عن ابی عبد اللّٰه صاحب السابری فیما اعلم او غیره عن ابی عبد اللّٰه قال فیما اوحی اللّٰه الی موسی یا موسی اشکرنی حق شکری فقال یا رب و کیف اشکرك حق شکرك ولیس من شکر اشکرك به الاّ و انت انعمت به علیّ قال یا موسیٰ الان شکرتنی حین علمت انّ ذلك منّی۔

(۲) ابن ابی عمیر عن ابن رئاب عن اسماعیل بن الفضل قال قال ابو عبداللّٰه واذا اصبحت و امسیت فقل عشر مرات اللّٰهم ما

Presented by Ziaraat.Com

اصبحت بی من نعمة او عافية من دين او دنيا فمنك وحدك لا شريك لك لك الحمد و لك الشكر بها عليّ يا ربّ حتّٰی ترضٰی و بعد الرضا فانك اذا قلت ذٰلك قد ادّيت شكر ما انعم اللّٰه به عليك فی ذلك اليوم وفی تلك الليلة۔

(۳)ابن ابی عمير عن حفص بن البختری عن ابی عبد اللّٰه: قال كان نوح يقول ذلك اذا اصبح فسمی بذلك عبداً شكوراً وقا قال رسول اللّٰه من صدق نجا۔ (کافی، ج ۲،ص ۹۹)

ان دو آخری روایت کی سند روایة الکلینی عن علی بن ابراهیم عن ابیه عن ابن ابی عمیر ہے۔ الی آخر السند۔ وہی جو پہلی روایت میں مذکور ہے۔

تعلیق کی ایک اور مثال

(۱)عدة من اصحابنا عن احمد بن ابی عبد اللّٰه عن عثمان بن عيسٰی عن خالد بن نجيح عن ابی عبد اللّٰهؑ اذا رايت الرجل وقد ابتلی وانعم اللّٰه عليك فقل اللّٰهم انّی اسخر ولا افخر ولكن احمدك علی عظيم نعمائك عليّ۔

(۲)عنه عن عثمان بن عيسٰی عن عبد اللّٰه مسكان عن ابی عبد اللّٰه قال ان رسول اللّٰهؐ كان فی سفر يسير علی ناقة له، اذ نزل فسجد خمس سجدات فلما ان ركب قالوا يا رسول اللّٰهؐ انا رأيناك صنعت شيئًا لم تصنعه؟ فقال نعم استقبلنی جبرئيل فبشّرنی ببشارات من اللّٰه عزوجل فسجدت و للّٰه شكراً لكل بشری سجدة۔

(۳)عنه عن عثمان بن عيسٰی عن يونس بن عمّار عن ابی

Presented by Ziaraat.Com

عبد اللّٰہؑ قال ذکر احدکم نعمة اللّٰه عزوجل فلیضع خدّه علی التراب شکراً للّٰه فان کان راکباً فلینزل فلیضع خدّه علی التراب و ان لم یکن یقدر علی النزول للشهرة فلیضع خدّه علی قر بوسه وان لم یقدر فلیضع خدّه علی کفّه لیحمد اللّٰه علیٰ ما انعم اللّٰه علیه۔

(۴)عنه عن ابیه عن هارون بن الجهم عن حفص بن عمر عن ابی عبد اللّٰہؑ قال قال رسول اللّٰہؐ اذا رأیتم اهل البلاء فاحمدوا اللّٰه ولا تسمعوهم فانّ ذلك یحزنهم۔

یہ آخری تینوں روایات پہلی روایت کی سند کے ساتھ ہیں۔

وهو الکلینی عن عدّة من اصحابنا عن احمد بن ابی عبداللّٰه۔

عدّة الکلینی

بہت سی جگہوں پر کلینیؒ فرماتے ہیں: عدّة من اصحابنا اور خود بھی اس کی تشریح فرمائی ہے اور یہ تین عدد ہیں:

(۱) عدّة عن احمد بن محمد بن عیسیٰ۔

(۲) عدة عن احمد بن محمد بن خالد البرقی۔

(۳) عدة عن سهل بن زیاد۔

(۱)العدة الاولیٰ عدة الاشعری

احمد بن محمد بن عیسیٰ الاشعری شیخ القمیین تھے اور رئیس تھے۔ امام رضا، امام محمد تقی اور امام ہادی علیہم السلام سے مل چکے تھے۔ شیخ نے فہرست میں کہا: ثقہ نجاشی لکھتے ہیں: وقال ابو جعفر الکلینی کلّ ما کان فی کتابی عدّة من اصحابنا

Presented by Ziaraat.Com

عن احمد بن محمد بن عیسٰی فهم محمد بن یحییٰ و علی بن موسی الکمنذانی و داؤد بن کوره و احمد بن ادریس و علی بن ابراهیم بن هاشم۔(فہرس نجاشی، رقم ۱۰۲۶)

امّا الاول محمد بن یحیی العطّار ہیں قال النجاشی شیخ اصحابنا فی زمانه ثقة عین کثیر الحدیث له کتب ۔

(۲) الکمنذانی: ان کا ذکر کتب رجال میں نہیں ملتا سوائے اس کے جو علامہ نے کہا: موسٰی بن جعفر الکمنذانی بضم الکاف و المیم و اسکان النون و فتح الذال المعجمة ابو علی من قریة من قری قم کان مرتفعا فی القول ضعیفا فی الحدیث او ظاهراً ۔آپ والد ہیں اس علی کے جو اوپر عدہ میں مذکور ہیں۔

(۳) ابن کورہ ابوسلیمان القمی: آپ نے کتاب نوادر الحکمۃ کی تبویب کی۔ آپ کا ذکر بغیر توثیق کے ملتا ہے۔

(۴) ابن ادریس: آپ ابوعلی الاشعری القمی تھے۔فہرست ورجال میں آپ کی توثیق مذکور ہے۔(م ۳۰۶)

(۵) القمی ابوالحسن علی بن ابراهیم: ثقة فی الحدیث ثبت معتمد۔

پس ان پانچ میں سے تین کی توثیق ہوئی ہے اور دو کا ذکر بغیر مدح وذم کے ہے وثاقت سند کیلئے پہلے تین کافی ہیں۔

العدّة الثانیه عدة البرقی

احمد بن محمد بن خالد البرقی ثقہ تھے فی نفسہ لیکن آپ ضعفاء سے روایت کرتے تھے اور مراسیل پر اعتماد کرتے تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

شیخ طوسیؒ اس عدہ کو کلینی سے نقل کرتے ہیں بقوله و كلّما كان عدة من اصحابنا عن احمد بن محمد بن خالد البرقی فهم علی بن ابراهیم و علی بن محمد ماجیلویه و محمد بن عبد الله الحمیری و محمد بن جعفر و علی بن الحسین السعد آبادی ۔شیخ کلینیؒ نے کافی کی کتاب الحق میں عدۃ البرقی کی یوں تصریح کی: (۱) علی بن ابراہیم، (۲) محمد بن جعفر ابوالحسن الاسدی، (۳) محمد بن عیسیٰ، (۴) علی بن محمد ماجیلویہ، (۵) احمد بن عبداللہ ھو احمد بن ابی عبداللہ البرقی، (۶) علی بن الحسین السعد آبادی۔

علامہ نے کلینی سے نقل کرتے ہوئے اس عدہ کو یوں ذکر کیا: (۱) علی بن ابراہیم، (۲) علی بن محمد بن عبداللہ بن اذینہ، (۳) احمد بن عبداللہ بن امیہ، (۴) علی بن الحسن،

(۱) علی بن ابراہیم بیان ہو چکے۔

(۲) محمد بن جعفر الاسدی جو کہ محمد بن ابی عبداللہ کے نام سے معروف تھے نجاشی نے کہا: انّه مسكن الری و كان ثقة صحيح الحديث الّا انه يروی عن الضعفاء (م ۳۱۲)۔

(۳) محمد بن یحییٰ وہی العطار ہیں۔

(۴) علی بن محمد ماجیلویہ: آپ سبط البرقی تھے یعنی نواسے (ابن بنته) الملقب بندار۔

(۵) علی بن محمد بن عبداللہ بن اذینہ، صاحب نوابغ الرواۃ فرماتے ہیں: ابن اذینہ تصحیف ہے صحیح ابن ابنتہ ہے جیسا کہ احمد بن عبداللہ کو ابن امیہ لکھنا بھی تصحیف ہے وہ ابن ابنہ ہے دونوں میں ضمیر غائب کا مرجع البرقی ہے یہ دونوں برقی کے فرزند تھے ایک

Presented by Ziaraat.Com

نواسہ اور ایک پوتا تھا۔

(۶) علی بن الحسین سعد آبادی: نوابغ میں کہا ابوالحسن اقمی۔

روایۃ شیخ طوسی میں محمد بن عبداللہ الحمیری بھی مذکور ہے نجاشی نے کہا: **کان ثقة وجها کاتبَ صاحبا لامر و سئله** ۔کہ آپ ثقہ و باشخصیت تھے، امام زمانؑ سے خط و کتابت کے ذریعے سوالات کرتے رہتے تھے۔

اس سند کی وثاقت میں علی بن ابراہیم کی توثیق کافی ہے اور سعد آبادی کی توثیق مجلسین نے کی ہے: **لانّه من اصحاب الاجازة** ۔اور شرح فقیہ میں مجلسی اکبر نے فرمایا: **لانّه کثیر الروایه**۔

العدة الثالثة عدّة الآدمی

سھل بن زیاد الآدمی (م ۲۵۵) نجاشی نے کہا: **سهل بن زیاد ابو سعید الآدمی الرازی کان ضعیفا فی الحدیث غیر معتمد علیه و کان احمد بن محمد بن عیسٰی یشهد علیه بالغلو والکذب و اخرجه من قم الی الری و کان یسکنها له کتاب التوحید و کتاب النوادر** ۔نجاشی نے کہا سہل بن زیاد آدمی رازی حدیث میں ضعیف ناقابل اعتماد تھے اور احمد بن محمد بن عیسیٰ نے ان پر غلو اور کذب کی شہادت دی اور اسے قم سے نکال دیا لہٰذا یہ ری میں رہتے تھے، اور کتاب التوحید اور کتاب النوادر ان کی کتب میں سے ہیں۔

شیخ نے اسے اصحاب ہادی و عسکری علیہما السلام میں ذکر کیا ہے اور ضعیف کہا ہے، فہرست میں کہا: **کان ضعیفا جدّا فاسد الروایة والمذهب**۔

علامہ نے کلینی سے نقل کیا: **فقال کلّما ذکرت عدّة من اصحابنا عن سهل بن زیاد فهم علی بن محمد بن علّان و محمد بن عبدالله و**

Presented by Ziaraat.Com

محمد بن الحسن الصفار و محمد بن عقیل الکلینی۔

لنا (۱) علی بن محمد بن علان الکلینی:۔ نجاشی نے اسے ثقہ عین کہا۔

(۲) محمد بن ابی عبداللہ وھو محمد بن جعفر الاسدی الکوفی:۔ نجاشی نے کہا: کان ثقة صحیح الحدیث الّا انه یروی عن الضعفاء و کان یقول بالجبر و التشبیه۔

(۳) محمد بن الحسن الصفار:۔ اکثر نے یہی کہا: یہ صفار ہیں چونکہ کلینیؒ نے تو مطلق محمد بن الحسن کہا ہے اور اس طبقہ میں دو محمد بن الحسن ہیں ایک صفار جو کہ اعلام و اجلاء میں سے ہیں، دوسرے محمد بن الحسن البرہانی ہیں جو کہ مجہول الحال ہیں۔ کلباسی نے کہا: کلینی نے اس سے بہت زیادہ روایت کی ہے اور کہیں بھی اس کی تقیید ذکر نہیں کی اور بعید ہے کہ کلینی مجہول الحال سے روایت کریں لہٰذا ظاہراً الصفار ہیں۔

(۴) محمد بن عقیل الکلینی:۔ ان کا ترجمہ مل نہیں سکا۔ کلینی نے باب الزیارات من فقہ الحج میں ان سے روایت کی ہے۔

اس کے علاوہ بھی عدہ ایسے ہیں جن کی تعیین نہیں ہوئی جیسے:

(۱) عدّة من اصحابنا عن احمد بن محمد بن ابی نصر ۔

(۲) عدّة من اصحابنا عن احمد بن محمد بن عیسیٰ بن یزید۔

(۳) عدّة من اصحابنا عن ابان بن عثمان عن زراره۔

(۴) عدة من اصحابنا عن احمد بن محمد عن ابن الفضال ۔

(۵) عدة من اصحابنا عن سعد بن عبد اللّٰه ۔

محدث نوری نے خاتمہ مستدرک میں اور علامہ کلباسی نے سماء المقال میں کافی

Presented by Ziaraat.Com

کے تمام عدد سے متعلق مفصل بحث کی ہے۔

صاحب منتقی الجمان شیخ حسن بن زین الدین نے دعویٰ کیا ہے کہ تمام عدّوں میں محمد بن یحییٰ العطار پائے جاتے ہیں لہٰذا عدّہ کے لحاظ سے تمام میں سند صحیح ہوگی چونکہ کلینی نے کتاب العقل والجہل کی پہلی حدیث میں کہا ہے **بھذا الاسناد عدّۃ من اصحابنا منھم محمد بن یحییٰ العطّار۔**

لیکن علامہ کلباسی فرماتے ہیں کہ یہ کلام اجتہاد در مقابل نص کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ کلینی نے احمد بن محمد بن خالد کا عدّہ ذکر کیا ہے اور اس میں محمد بن یحییٰ کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ جو افراد بعنوان عدّہ طرق کلینی میں مذکور ہیں وہ کلینی کے مشائخ اجازہ ہیں اور چونکہ ان کتب میں سے اکثر کا انتساب اس کے مؤلف کی طرف معلوم و معروف ہے اور کلینی کا عدۃ ذکر کرنا اس کتاب تک اکثار طرق کے مقصد سے تھا، لہٰذا اس کی تصحیح کی ضرورت نہیں ہے۔

ہاں کلینی نے کئی مقامات پر **جماعۃ من اصحابنا یا غیر واحد من اصحابنا** بھی کہا ہے یہ بھی ظاہراً اسی عدّۃ کی طرح ہے۔

تمییز المشترکات

کلینی محمد بن الحسن سے روایت کرتے ہیں آیا یہ صفار ہیں یا ان کا غیر؟

محدث نوری نے کہا: مشائخ کلینی کے طبقہ میں چار محمد بن حسن ہیں: (۱) محمد بن حسن بن علی المحاربی، (۲) محمد بن الحسن القمی، (۳) محمد بن الحسن بن بندار، (۴) محمد بن الحسن البرنانی۔

اور ظن غالب یہ ہے کہ یہ صفار ہیں چونکہ اوّلاً صفار معاصر کلینی تھے جو کلینی کے طبقہ میں ہے وہ صفار سے روایت کرتے ہیں جیسے محمد بن الحسن بن احمد بن الولید (م

Presented by Ziaraat.Com

۳۲۴) صفار سے روایت کرتے ہیں: صفار مشہور تھے اور بصائر الدرجات ان کی کتاب ہے۔

وثانیاً: جو محمد بن الحسن سند کلینی میں واقع ہے جو اس کے مشائخ ہیں وہی صفار کے مشائخ ہیں جیسے ابراہیم بن اسحاق احمری۔

علی بن محمد کون ہے؟

کلینی نے کئی احادیث علی بن محمد سے روایت کی ہے ان کے بارے علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آیا: (۱) علی بن محمد بن ابراہیم المعروف بعلّان الکلینی ہیں، (۲) علی بن اذینہ ہیں، (۳) علی بن محمد بن بندار ہیں۔

علامہ مجلسی نے کہا: ان میں سے کسی ایک کی تعیین مشکل ہے۔

ملا صالح مازندرانی نے شرح کافی، جلد ۱، صفحہ ۸۷ میں کہا: یہ علی بن محمد بن ابراہیم المعروف بعلّان ہیں۔

آقای خوئی نے کہا: یہ بندار ہیں۔

علامہ مامقانی نے کہا: معروف ماجیلویہ ہے۔ لیکن تینوں شیخ کلینی تھے لہٰذا کسی ایک کی تعیین دعویٰ بلا دلیل ہے۔

صاحب قاموس الرجال علامہ تستری فرماتے ہیں: معنیاً علّان مراد ہیں۔ **لانّه کلّما ورد علی بن محمد ورد علی بن محمد عن سهل** ۔ اور کلینی نے عدّہ سھل کی تعیین کرتے ہوئے ان میں سے علّان کو ذکر کیا ہے اور ابن اذینہ کا غیر ماجیلویہ ہونا معلوم نہیں ہے بلکہ ظاہر ابن اذینہ محرّف ابن ابنتہ ہے لہٰذا یہ ماجیلویہ کے ساتھ متحد ہے چونکہ ابن ماجیلویہ ابن بنت البرقی ہے جیسا کہ نجاشی نے رقم ۹۴۷ میں ذکر کیا ہے جبکہ ابن اذینہ صرف عدّہ کلینی عن البرقی میں مذکور ہے کہیں اور اس کا کوئی ذکر نہیں

Presented by Ziaraat.Com

ملتا۔

اور یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ ابن ماجیلویہ علی بن محمد بن بندار ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں پس گویا علی ابن محمد یا علاّن ہے یا ماجیلویہ اور ابن علاّن متعین ہے نزد محقق تستری۔ آقای خوئی نے اسے جزماً ابن بندار کہا اور کہا یہ غیر ہے علی بن محمد بن عبداللہ کا۔ حالانکہ یہ دونوں ایک ہیں جزماً (آقای جعفر سبحانی مدظلہٗ) بہرکیف علی بن محمد مردّد ہے دو نفر میں علاّن اور ابن ماجیلویہ اور دونوں ثقہ ہیں۔

ومن المشترکات محمد بن اسماعیل

اوائل اسناد کافی میں محمد بن اسماعیل عن الفضل بن شاذان۔

یہ محمد بن اسماعیل مردّد ہیں سات افراد کے درمیان:

(۱) محمد بن اسماعیل برمکی، (۲) محمد بن اسماعیل الزعفرانی،
(۳) محمد بن اسماعیل الکنانی، (۴) محمد بن اسماعیل الجعفری،
(۵) محمد بن اسماعیل القمی، (۶) محمد بن اسماعیل البلخی،
(۷) محمد بن اسماعیل البزیع۔

برمکی و زعفرانی کی نجاشی نے توثیق کی ہے، ابن بزیع ثقہ جلیل ہیں اور باقی سب مجہول الحال ہیں۔

صاحب معالم نے منتقی الجمان میں کہا: ان سات میں سے کوئی بھی نہیں ہے، ہوسکتا ہے ان کے علاوہ ھو بل ھو اقرب پھر کہا یہ بندقی نیشاپوری ہوسکتا ہے وہ بھی مجہول الحال ہے۔

سید حسن صدر نے کہا: یہ ابن بزیع ہے لیکن صاحب معالم کے نزدیک یہ نہیں ہوسکتا چونکہ فضل بن شاذان طبقہ میں اس سے کمتر تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

نیز تحقیق و تتبع کے بعد کہیں بھی محمد بن اسماعیل بن بزیع کی روایت فضل بن شاذان سے نہیں ملتی۔

وثانیاً: کافی میں ابن بزیع سے کئی جگہ پر دو واسطہ سے روایت کی ہے: **عن محمد بن یحیٰی عن احمد بن محمد بن ابن بزیع** ۔لہٰذا بلا واسطہ اس سے روایت بہت بعید ہے۔

وثالثاً: محمد بن اسماعیل بن بزیع کی وفات امام محمد تقی علیہ السلام کے زمانے میں ہوئی ہے لہٰذا کلینی کی ان سے ملاقات کیسے ممکن ہے۔

خود صاحب معالم نے ترجیح دی کہ یہ محمد بن اسماعیل نیشاپوری ہیں اور فرمایا: **و یقوی فی خاطری ادخال الحدیث المشتمل علیہ فی قسم الحسن** ۔کلباسی نے کہا: **انّہ الثقة الجلیل و العالم النبیل**۔ کیونکہ کلینی نے کافی میں ان سے کثرت سے روایت کی ہے اور یہ کلینی کے مشائخ اجازہ میں سے تھے لہٰذا ان کی حدیث صحیح ہوگی جیسا کہ محقق داماد اور فاضل بحرانی کا مسلک ہے۔

نقد الکافی

وافی میں فیض کاشانی فرماتے ہیں:

امّا الکافی فھو و ان کان اشرفھا (الکتب الاربعة) و اوثقھا و اتمّھا و اجمعھا لاشتمالہ علی الاصول من بینھا و خلوّہ من الفضول و شینھا الاّ انّہ اھمل کثیرا من الاحکام ولم یات بابوابھا علی التمام و ربما اقتصر علی احد طرفی الاختلاف من الاخبار الموھمة للتنافی ولم یات بالمنافی ثمّ لم یشرح المبھمات والمشکلات و اخلّ بحسن الترتیب فی بعض الکتب والابواب و الروایات و ربّما اورد

Presented by Ziaraat.Com

حدیثا فی غیر بابه و ربّما اهمل العنوان لابوابه و ربما اخلّ بالعنوان لما یستدعیه و ربما عنوان مالا یقتضیه۔ کہ اگرچہ کافی کتب اربعہ میں سے سب سے اشرف وموثق ترین مکمل ترین اور اصول کی جامع ترین ہے لیکن اس میں نقائص بھی ہیں جیسے بہت سے احکام کو ذکر نہ کرنا، ابواب میں حسن ترتیب نہ ہونا، عنوان بعض ابواب میں نہ ہونا وغیرہ۔

من لا یحضرہ الفقیہ

تالیف شیخ محمد بن علی بن بابویہ القمی المعروف بہ صدوق (م ۳۸۱) آپ ری کے رہنے والے تھے۔ ۳۵۵ میں بغداد وارد ہوئے۔

شیخ طوسی نے کہا: کان جلیلاً حافظا للاحادیث بصیراً بالرجال ناقدا للاخبار لم یُرفی القمیین مثله فی حفظه و کثرة علمه له نحو من ثلاث مائة مصنف. اخبرنا. بجمیع کتبه و روایاته جماعة من اصحابنا منهم الشیخ ابو عبد اللّٰه محمد بن محمد بن نعمان و ابو عبد اللّٰه حسین بن عبید اللّٰه و ابو الحسین جعفر بن الحسین بن حسکه القمی و ابو زکریا محمد بن سلیمان الحمرانی کلهم عنه۔ شیخ طوسی نے آپ کے بارے فرمایا: آپ بہت جلالت والے، احادیث کے حافظ، رجال کی پہچان رکھنے والے اور روایات کے جانچ کرنے والے تھے۔ قمیوں میں آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا گیا حفظ اور کثرت علم میں۔ آپ کی لگ بھگ تین سو تصنیفات ہیں آپ کی تمام کتب وروایات کی ہمیں ان چند بزرگوں نے خبر دی ہے شیخ مفید، حسین بن عبیداللہ ابن حسکہ اور محمد بن سلیمان حمرانی۔ (الفہرست، ترجمہ ۷۱۰)

شیخ صدوق مقدمہ فرماتے ہیں: انّه لما ساقه القضاء الی بلاد الغربة

Presented by Ziaraat.Com

و نزل ارضی بلخ وردها شریف الدین ابو عبد اللّٰه محمد بن الحسن المعروف بنعمة. فدام سروره بمجالسته و انشرح صدره بمذاکرته و قد طلب منه ان یصنّف کتاباً فی الفقه و الحلال والحرام و سمّیه بمن لا یحضره الفقیه کما صنف الطبیب الرازی محمد بن زکریا کتابا فی الطب و اسماه من لا یحضره الطبیب، فاجاب مسئوولہ و صنّف هذا الکتاب له ۔ شیخ صدوق من لایحضرہ الفقیہ کی وجہ تالیف بتلاتے ہیں کہ میں جب بلخ کی سرزمین پر وارد ہوا شریف الدین نعمہ کی خواہش پر تو انہوں نے مجھ سے فقہ اور حلال وحرام کی حامل کتاب کی خواہش کی کہ جس کا نام من لایحضرہ الفقیہ ہو جیسا کہ محمد بن زکریا رازی نے طب میں من لایحضرہ الطبیب لکھی۔

پھر فرماتے ہیں:

ولم اقصد فیه قصد المصنفین فی ایراد جمیع ما رووا بل قصدت الی ایراد ما اُفتی به و احکم بصحته و اعتقد فیه انّه حجة فیما بینی و بین ربّی تقدس ذکره و تعالت قدرته و جمیع مافیه مستخرج عن کتب مشوره علیها المعوّل و الیها المرجع مثل کتاب حریز بن عبد اللّٰه السجستانی و کتاب عبید اللّٰه بن علی الحلبی و کتب علی بن مهزیار الاهوازی و کتب الحسین بن سعید و نوادر احمد محمد بن عیسٰی و کتاب نوادر الحکمة تصنیف محمد بن احمد بن یحیٰی بن عمران الاشعری و کتاب الرحمة سعد بن عبد اللّٰه و جامع شیخنا محمد بن الحسن بن الولید و نوادر محمد بن ابی عمیر و کتب المحاسن لاحمد بن ابی عبد اللّٰه البرقی و رسالة ابی الیّ وغیرها من

Presented by Ziaraat.Com

المصنّفات والاصول التی طرقی الیها معروفة فی فهرس الکتب التی رویتها عن مشائخی و اسلافی رضی اللّٰه عنهم..... ۔ پھر فرماتے ہیں: میں نے اس کتاب میں دوسرے مصنفین کی طرح تمام روایات جمع نہیں کیں بلکہ صرف وہ روایات لانے کا قصد کیا جن کے مطابق میں فتویٰ دوں اور اسے صحیح سمجھوں اور اس کے بارے میرا یہ اعتقاد ہو کہ یہ میرے اور میرے خدا کے درمیان حجت ہے اس کتاب کی تمام روایات کو مشہور و قابل اعتماد کتب سے لیا گیا ہے جیسے کتاب حریز۔۔۔

اس مقدمہ سے ظاہر ہوا ہے کہ صدوق نے یہ کتاب جامع حدیثی کے عنوان سے نہیں لکھی بلکہ شیعہ کے لئے مرجع عملی کے طور پر لکھی لہٰذا بعض دفعہ صدوق کسی حدیث پر تفسیر یا تعلیق کرتے ہیں وہ بھی حدیث کے ساتھ متصل طور پر تو اسے بعض حدیث ہی کا حصہ تصور کر لیتے ہیں حالانکہ وہ حصہ حدیث نہیں ہوتا مثلاً جزء اول کی حدیث ثانی میں ہے: و قالؑ الماء یطهّر ولا یُطهرؑ فمتیٰ وجدت ماءً ولم تعلم فیه نجاسة فتوضّاء منه و اشرب و ان وجدت فیه ما ینجسه فلا تتوضاء منه ولا تشرب الّا فی حال الاضطرار فتشرب منه ولا تتوضّاء منه و تیمّم۔

اب دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ سب فقرات جزء حدیث ہیں حالانکہ کلام امامؑ صرف جملہ الماء یطهّر ولا یُطهرؑ ہے باقی کلام صدوق ہے۔

قطعیة الصدور

بعض قائل ہیں کہ فقیہ کی تمام روایات حجت ہیں اور ان میں سند کی تحقیق ضروری نہیں ہے۔ چونکہ اوّلاً صدوق نے مقدمہ فرمایا ہے بل قصدت الی ایراد ما افتی به و احکم بصحته یہ عبارت صریح ہے کہ صدوق اس کتاب میں صرف

Presented by Ziaraat.Com

روایات صحیحہ ذکر کریں گے۔

یہ استدلال درست نہیں ہے اس لئے کہ جو صحیح قدماء کی نظر میں ہے وہ غیر ہے اس کا جو صحیح متاخرین کی نظر میں ہے متاخرین کے نزدیک صحیح وہ ہے جس کے رواۃ عدول امامی ہوں جبکہ متقدمین کے نزدیک صحیح وہ ہے جو ایسے قرائن رکھتا ہو جن کی وجہ سے اس پر اعتماد کیا جا سکے اگرچہ اس کے بعض رواۃ فاسق ہوں جب صدوق کی مراد از صحیح یہ ہو تو اس خبر کا فقیہ میں ذکر کرنا ہمارے لئے حجت نہیں ہوگا چونکہ ہوسکتا ہے اگر وہ قرائن ہمیں ملتے تو ہمارے لئے باعث اطمینان نہ ہوتے۔

وثانیاً: صدوق کا صحیح روایات میں ایک خاص طریق ہے اور وہ یہ کہ جس حدیث کو ان کے شیخ محمد بن الحسن بن احمد بن الولید صحیح کہہ دیں وہ آپ کے نزدیک صحیح ہے اور جسے وہ صحیح قرار نہ دیں وہ آپ کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہوگی اس بناء پر ان کی شہادت احادیث کی صحت کے بارے میں ہمارے لئے حجت نہیں ہوگی۔

وثالثاً:۔ مقدمہ فقیہ میں آپ نے فرمایا: **جمیع ما فیہ مستخرج من کتب مشہورۃ علیہا المعوّل و الیہا المرجع** ۔یعنی آپ صحیح روایت میں اس بات پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ حدیث کتب مشائخ عظام میں موجود ہو مثلاً آپ فرماتے ہیں: **کان شیخنا محمد بن الحسن بن احمد بن الولید رضی اللہ عنہ سیئ الرای فی محمد بن عبد اللہ المسمعی راوی ھذا الحدیث و انی اخرجت ھذا الخبر فی ھذا الکتاب لانّہ کان فی کتاب الرحمۃ وقد قرأتہ علیہ ولم ینکرہ و رواہ لی**۔(العیون، جز۲) یعنی ہمارے شیخ محمد بن الحسن بن احمد بن الولید محمد بن عبداللہ المسمعی کے بارے اچھی رائے نہیں رکھتے تھے جو اس حدیث کا راوی ہے میں نے اس کی روایت اس کتاب میں اس لئے ذکر کر دی کہ

Presented by Ziaraat.Com

کتاب الرحمۃ میں موجود تھی اور میں نے یہ کتاب اپنے شیخ پر قرأت کی اور انہیں اس کا انکار نہ کیا اور میرے لئے اس کی روایت کی۔

و رابعاً: فقیہ کی کل روایات ۵۹۶۳ ہیں جن میں سے ۲۰۵۰ احادیث مرسل ہیں۔

امّا حجیت مراسیل صدوق

بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے بحرالعلوم فرماتے ہیں: انّ مراسیل الصدوق فی الفقیہ کمراسیل ابن ابی عمیر فی الحجیۃ والاعتبار وانّ ھذہ المزیۃ من خواص ھذا الکتاب لا توجد فی غیرہ من الکتب ۔ شیخ صدوق کی من لایحضرہ الفقیہ کی مرسل روایات حجت ہیں اور یہ خصوصیت صرف اسی کتاب کو حاصل ہے شیخ صدوق کی بقیہ کتب میں جو مراسیل ہیں ان کا یہ حکم نہیں ہے۔

شیخ بہاء الدین شرح فقیہ میں صدوق کے اس قول "و قال الصادقؑ کل ماء طاھر حتی تعلم انّہ قذر" کے ذیل میں فرماتے ہیں: ھذا الحدیث من مراسیل المؤلف و ھی کثیرۃ فی ھذا الکتاب تزید علی ثلث الاحادیث المورۃ فیہ و ینبغی ان لا یقصر الاعتماد علیھا من الاعتماد علی مسانیدہ من حیث تشریکہ بین النوعین فی کونہ لمّا یفتی بہ و یحکم بصحتہ و یعتقد انہ حجۃ بینہ و بین ربّہ. بل ذھب جماعۃ من الاصولیین الی ترجیح مرسل العدل علی مسانیدہ محتجین بانّ قول العدل قال رسول اللّٰہ کذا یشعر باذعانہ بمضمون الخبر بخلاف مالو قال حدثنی فلان عن فلان انہ قال کذا ۔ یہ حدیث مؤلف کی مرسل روایات میں سے ہے جو کہ اس سے زیادہ ہیں اور ان مرسلات پر اعتماد

Presented by Ziaraat.Com

ان کی مسند روایات سے کم تر نہیں ہونا چاہئے چونکہ دونوں قسم کی روایات کے بارے آپ نے کہا کہ اس کتاب میں وہی حدیثیں درج کروں گا جو میرے نزدیک صحیح ہوں گی بلکہ اصولیوں میں سے بعض قائل ہیں کہ مسانید کی نسبت مراسیل پر اعتماد زیادہ ہے کیونکہ اس میں وہ جزمی نسبت دیتے ہیں معصوم کی طرف قال رسول اللّٰہ کذا جبکہ مسند حدیث میں کہتے ہیں: فلاں نے مجھے حدیث ذکر کی۔

گویا اصولیین کی رائے یہ ہے کہ اگر صدوق معصوم کی طرف جزمی نسبت دیں قال رسول اللّٰہ یا قال الصادقؑ تو یہ حجت ہے لیکن اگر رُوِیَ وغیرہ جیسی تعبیر ہو تو یہ حجت نہیں ہوگی۔

واضح ہے کہ صدوق کی اس جزمی نسبت سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے صدوق کو اس کا جزم یا اطمینان تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کا یہ جزم راوی کی عدالت و وثاقت کی وجہ سے تھا اور صدوق کا اطمینان و جزم دوسروں کے لئے حجت نہیں ہے۔

تنبیہ

بعض دفعہ صدوق راوی کو ذکر کرتے ہیں اور اس تک اپنے طریق کو ذکر نہیں کرتے یا جو طریق ذکر کیا ہے وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہوتا ایسی صورت میں اس کی تصحیح کا کوئی طریقہ ہے، محقق اردبیلی نے جامع الرواۃ میں اس کا طریقہ ذکر کیا ہے جس کا ذکر تہذیبین کی بحث میں آئے گا۔

استاد جعفر سبحانی نے آقای بروجردی سے ایک طریقہ نقل کیا ہے کہ جن کتب سے صدوق نقل کرتے ہیں وہ کتب مشہورہ تھیں اصحاب ان پر اعتماد کرتے تھے اور ان کی طرف مراجعہ کرتے تھے لہٰذا ان تک طریق کا ذکر صرف تبرک و تیمن کی خاطر تھا یعنی

Presented by Ziaraat.Com

ان کتب کو مرسل ہونے سے نکال کر مسند بنانے کی خاطر ورنہ ان تک طریق کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی وجہ سے صدوق نے ان بعض کتب تک اپنا طریق ذکر نہیں کیا۔

یہی بات علامہ مجلسی بزرگ نے شرح فقیہ روضۃ المتقین، ج ۱، ص ۲۹ میں کی ہے۔

استاد سبحانی فرماتے ہیں: اگر معلوم ہو کہ شیخ صدوق نے حدیث کو کتب معروفہ سے اخذ کیا ہے تو طریق سے بحث ضروری نہیں ہے لیکن اگر ایسا جزم نہ ہو اور یہ احتمال ہو کہ حدیث آپ تک ان طرق کے ذریعے پہنچی ہو جو مشیخہ میں مذکور ہیں تو ان طرق کی صحت جانچنا لازم ہوگا اور یہی بات ہم طرق کلینی میں بھی کہتے ہیں۔

نقد الفقیہ

جناب فیض کاشانی وافی میں اسلوب فقیہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: **و امّا رئیس المحدثین ابو جعفر محمد بن علی بن بابویه القمی عطّر اللّٰه مرقده فدأبه فی کتاب من لا یحضره الفقیه ترك اکثر السند عن المعصوم فقط او مع من یروی عنه ثمّ انّه ذکر فی آخر الکتاب طریقه المتصل بذلك الراوی ولم یخلّ بذلك الّا نادراً کاخلاله بطریقه الیٰ برید بن معاویه العجلی و الی یحیی بن سعید الاهوازی۔**

و امّا الفقیه فهو کالکافی فی اکثر ذلك مع خلوّه من الاصول و قصوره عن کثیر من الابواب والفصول و ربّما یشبه الحدیث بکلامه و یشبه کلامه فی ذیل الحدیث بتمامه و ربما یرسل الحدیث ارسالا و یهمل الاسناد اهمالاً۔ رئیس المحدثین ابو جعفر محمد بن علی بن بابویہ قمی کا اسلوب کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں یہ ہے کہ پوری سند چھوڑ دیتے ہیں پھر آخر کتاب

Presented by Ziaraat.Com

میں آپ نے مشیخہ ذکر کیا ہے وہاں اس راوی تک اپنی سند کو بیان کرتے ہیں، کہیں نادر مقامات پر اس طریقہ کے برخلاف عمل کیا ہے جیسا کہ برید بن معاویہ اور یحیٰی بن سعید تک اپنا طریق وہیں بیان کر دیا ہے فقیہ بھی کافی کی طرح ہے سوائے اس کے کہ اس میں اصول مذکور نہیں ہیں اور بہت سے ابواب وفصول نہیں ہیں، بعض دفعہ حدیث ان کی کلام سے اور ان کی کلام تتمہ سے مشابہ ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ سند ذکر نہیں کرتے۔

فقیہ کے آخر میں **طرق صدوق الی الکتب مشیخہ** کے نام سے ملحق ہیں جس میں ۳۹۰ طرق ذکر ہوئے ہیں جیسا کہ مرزا محمد استرآبادی کے مرتبہ شدہ مشیخہ میں ہے۔

تہذیب الاحکام

تالیف شیخ الطائفہ ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی (م ۴۶۰)

آپ کے معاصر نجاشی آپ کے بارے لکھتے ہیں:

محمد بن الحسن بن علی الطوسی ابو جعفر جلیل من اصحابنا ثقة عین من تلامذة شیخنا ابی عبد اللّٰہ له کتب.....۔

علامہ نے خلاصہ میں ذکر کیا آپ کی ولادت ماہ رمضان ۳۸۵ھ میں ہوئی اور ۴۰۸ھ میں آپ عراق وارد ہوئے بغداد میں، دوسرے مصادر میں ہے کہ آپ ۴۴۸ میں نجف اشرف تشریف لائے اور ۲۲ محرم کی رات ۴۶۰ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی اور مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ کتاب ۴۴۷ھ میں لکھی جب آپ کی عمر شریف ۶۲ سال تھی اور فہرست میں اس کا ذکر کیا اس کا مطلب ہے فہرست اس سے بعد لکھی ہے۔ ۴۴۸ھ میں آپ کے کتب خانے کو بغداد میں آگ لگا دی گئی اور آپ کو کربلا ہجرت کرنا پڑی اور وہاں سے نجف اشرف۔

Presented by Ziaraat.Com

امّا الکتاب یعنی تہذیب و الاحکام

یہ کتاب آپ نے اپنے استاد شیخ مفیدؒ کی مقنعہ کی شرح کے طور پر لکھی جب شروع کی آپ کی عمر ۲۶ سال تھی۔ آپ کی کتاب کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ طہارت وصلوٰۃ لکھتے وقت شیخ مفیدؒ زندہ تھے اس لئے کہ یہاں ان کے لئے ایّدہ اللّٰہ تعالیٰ لکھتے ہیں لیکن اس کے بعد قال الشیخ رحمہ اللّٰہ لکھتے ہیں۔ شیخ مفیدؒ ۴۱۳ھ میں فوت ہوئے ہیں جبکہ شیخ طوسی بغداد ۴۰۸ھ میں وارد ہوئے ہیں۔ مرحوم بروجردی بھی لکھتے ہیں کہ آپ کے طرز استدلال سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ۷۰ کے پیٹے میں تھے۔

ابتداء میں آپ استاد کی عبارت نقل کر کے اس پر شرح کرتے ہیں اور استدلال اقامہ کرتے ہیں لیکن بعد میں ایسا نہیں ہے صرف احادیث نقل کرتے ہیں اور اس کی وجہ آپ نے مشیخہ کے ابتداء میں ذکر کر دی ہے کہ طوالت باعث نہ بنے کہ اصل غرض سے بھی رہ جائیں اور کتاب کی تکمیل نہ ہو سکے۔

یہ ایک خالص حدیثی کتاب نہیں ہے بلکہ فقہی استدلالی حدیثی کتاب ہے۔ ۱۳۵۸۰ احادیث پر مشتمل ہے جیسا کہ حاجی نوری نے مستدرک میں کہا ہے مقدمہ میں آپ وجہ تالیف ذکر کرتے ہیں کہ بعض اصدقاء نے ذکر کیا کہ اہل سنت ہمارے اوپر اختلاف احادیث کی وجہ سے طعن کرتے ہیں **و ذکر انّہ اذا کان الامر علی ھذہ الجملۃ فالاشتغال بشرح کتاب یحتوی علی تاویل الاخبار المختلفۃ والاحادیث المتنافیۃ من اعظم المھمات فی الدین و من اقرب القربات الی اللّٰہ تعالیٰ..... و سئلنی ان اقصد الی رسالۃ شیخنا ابی عبد اللّٰہ ایّدہ اللّٰہ تعالیٰ الموسومۃ بالمقنعۃ لانّھا شافیۃ فی معناھا**

Presented by Ziaraat.Com

کافیة فی اکثر ما یحتاج الیه من احکام الشریعة و انها بعیدة من الحشو وان اقصد الی اوّل باب یتعلق بالطهارة و اترك ما قدّمه قبل ذلك ممّا یتعلق بالتوحید و العدل والنبوة والامامة لانّ شرح ذلك یطول..... و ان اترجم کل باب علی حسب ما ترجمه و اذکر مسئلة مسئلة فأستدل علیها امّا من ظاهر القرآن او من صریحه او فحواه او دلیله او معناه و امّا من السنة المقطوع بها من الاخبار المتواتره او الاخبار التی تقترن الیها القرائن التی تدل علی صحتها و امّا من اجماع المسلمین ان کان فیها او اجماع الفرقة المحقة ثمّ اذکر بعد ذلك ما ورد من احادیثنا المشهورة فی ذلك وانظر فیما ورد بعد ذلك ممّا ینافیها و یضادّها وابیّن الوجه فیها امّا بتاویل اجمع بینها و بینها او اذکر وجه الفساد فیها امّا من ضعف سندها او عمل العصابة بخلاف متضمنّها الخ۔

منہج التالیف

ابتداء میں آپ پوری سند ذکر کرتے ہیں پھر آخر طہارت میں اس اسلوب سے آپ نے عدول کرلیا اور اس کی وجہ بھی بتلائی کہ اس طرح کی تطویل ہمیں اصل غرض سے دور کردے گی لیکن آخر میں پھر اسی سابقہ اسلوب کی طرف لوٹ گئے اور فرمایا:ثم راینا بعد ذلك استیفاء ما یتعلق بهذا المنهاج اولی من الاخذ فی غیره فرجعنا و اوردنا من الزیارات ما کنّا اخللنا به۔

دونوں منہاج کی مثال

ابتداء کتاب میں پہلی روایت یوں ہے:ما اخبرنی به الشیخ ایّده الله

Presented by Ziaraat.Com

تعالٰی عن احمد بن محمد عن ابیه عن الحسین بن الحسن بن ابان عن الحسین بن سعید عن عثمان بن عیسٰی عن سماعه قال سئلت ابا عبداللّٰه عن الرجل ینام وهو ساجد قالؑ ینصرف و یتوضاء۔

دوسری روش کی مثال امر بالمعروف سے ہے۔

(۱) احمد بن محمد ابی عبداللّٰه عن یعقوب بن یزید رفعه قال قال ابو عبد اللّٰه الامر بالمعروف و النهی عن المنکر خلقان من خلق اللّٰه فمن نصرهما اعز اللّٰه ومن خذلهما خذله اللّٰه تعالٰی۔

(۲) احمد بن محمد بن خالد عن محمد بن عیسٰی عن محمد بن عرف قال سمعت ابا الحسن الرضاؑ۔

تصحیح اسانید شیخ

شیخ نے جو طرق مشیخہ التہذیب میں ذکر کئے ہیں ان میں سے بہت سے ضعیف یا مرسل یا مجہول ہیں لہٰذا بعض محققین نے اس نقص کو دور کرنے کی کوشش کی ہے فہرس شیخ اور دوسرے بزرگان کے طرق کے ذریعے۔ چونکہ فہرست میں شیخ نے ان ارباب کتب واصول تک اپنے طرق ذکر کئے ہیں جنہیں تہذیب میں ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا فہرس کی طرف رجوع سے اس نقص کو دور کیا جا سکتا ہے۔

یا مشیخہ فقیہ ورسالہ شیخ ابی غالب الرازی کی طرف رجوع کریں اگر ان کی سند ہو اس اصل یا کتاب تک جسے شیخ نے تہذیب میں مہمل چھوڑا ہے تو بھی نقص دور ہو جائے گا چونکہ شیخ کی سند ان بزرگان تک متصل ہے۔

یا طریق نجاشی کی طرف رجوع کر لیں یہ معاصر تھے شیخ طوسیؒ کے اور اکثر مشائخ میں باہم شریک تھے جیسے مفید، حسین بن عبیداللہ الغضائری اور ان کے بیٹے احمد

Presented by Ziaraat.Com

بن الحسین اور احمد بن عبدون معروف بابن الحاشر، جب ان بزرگان کے توسط سے کسی اصل یا کتاب کو روایت کریں تو یہ شیخ کا بھی طریق ہوگا۔

لیکن محقق شیخ محمد اردبیلی (م ۱۱۰۱) نے جامع الرواۃ اور تصحیح الاسانید میں ایک اور طریقہ ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

علامہ حلی نے خلاصہ میں، مرزا استرآبادی نے تلخیص المقام میں اور سید مصطفیٰ تفرشی نے نقد الرجال میں شیخ طوسی کے شیوخ کو ذکر کیا ہے جن سے تہذیب و استبصار کی روایات لی گئی ہیں جو کہ ۳۹ شیخ ہیں۔ علامہ اور استرآبادی نے ان میں سے ۲۵ شیوخ کو ذکر کیا ہے شاید اس وجہ سے کہ بقیہ تک طریق شیخ صحیح نہیں ہے۔

سید تفرشی نے نے مشیخہ تہذیبین پر ۳۱ شیوخ کا اضافہ کیا ہے کہ جن تک شیخ نے اپنی سند کو ان کتابین کے خاتمہ میں ذکر نہیں کیا۔ ان تک شیخ کی سند کو فہرس سے استخراج کیا ہے یوں شیوخ کی تعداد ۷۰ ہوگئی لیکن ان میں سے آپ کے نزدیک صرف ۳۰ طرق معتبر ہیں جبکہ ۴۰ طرق غیر معتبر ہوگئے جو کہ ایک بڑی تعداد ہے اس وجہ سے محقق اردبیلی نے ان دونوں کتابوں کی اسانید کی تصحیح کے لئے ایک اور طریقے کا انتخاب کیا۔

آپ فرماتے ہیں: علماء رجال نے جو شیخ کے طرق ذکر کئے ہیں وہ انتہائی قلیل ہیں اور مطلوب میں مفید نہیں ہیں اور شیخ نے جن اصحاب کتب و اصول تک اپنے طریق کو تہذیب و استبصار میں ذکر نہیں کیا مشیخہ و فہرس میں ان تک اپنے ایک یا دو یا زیادہ طرق ذکر کئے ہیں لیکن میں نے ان میں نظر کی تو یہ ضعیف یا مجہول وغیرہ تھے یا سند کی ابتداء ایسے راوی سے کی جن تک اپنے طریق کو اصلاً ذکر ہی نہیں کیا۔ **فلاجل ذلك رايت لازما تحصيل طرق الشيخ الى ارباب الكتب و الاصول**

Presented by Ziaraat.Com

غیر الطرق المذکوره فی المشیخة و الفهرس حتی تصیر تلك الروایات معتبرة فلما طال تفکری فی ذلك و تضرعی اُلقی فی روعی ان انظر فی اسانید روایات التهذیبین فلما نظرت فیها نظرت فیها طرقا کثیرة الیهم غیر ماهو مذکور فی المشیخة والفهرس اکثرها موصوف بالصحة والاعتبار.....۔

و لزیادة التوضیح نقول انه روی الشیخ فی التهذیب روایات عن علی بن الحسن الطاطری بدء بذکر اسمه فی اسانیده مثلاً روی فی کتاب الصلوٰة هکذا. علی بن الحسن الطاطری قال حدّثنی عبد اللّٰه بن الوضاح عن سماعه بن مهران قال قال لی ابو عبداللّٰهؑ ایاك ان تصلی قبل ان تزول فانك تصلی فی وقت العصر خیر لك ان تصلی قبل ان تزول۔

و قال فی المشیخة وما ذکرته عن علی بن الحسن الطاطری فقد اخبرنی به احمد بن عبدون عن علی بن محمد بن الزبیر عن ابی الملك احمد بن عمر بن کیسبه عن علی بن الحسن الطاطری و هذا الطریق ضعیف بجهالة الثنین منهم ابن الزبیر و ابن کیسبه و مقتضاه عدم اعتبار تلك الروایات التی یبلغ عددها الی ثلاثین حدیثا فی التهذیب۔

و امّا المحاولة فهی انّا اذا رأینا ان الشیخ روی فی باب الطواف اربع روایات بهذا السند موسٰی بن القاسم عن علی بن الحسن الطاطری عن درست بن ابی منصور عن ابن مسکان ثمّ وقفنا

Presented by Ziaraat.Com

علی امرین

۱. ان موسٰی بن القاسم. اعنی به من صدّربه السند. ثقة۔

۲. طریق الشیخ الیه صحیح فعند ذلك یحصل للشیخ طریق صحیح الی الطاطری لکن لا عن طریقه الیه فی المشیخة ولا فی الفهرس بل عن طریقه فی المشیخة الی موسٰی بن القاسم ۔یعنی موسیٰ بن قاسم صرف ان چار روایات کا راوی نہیں ہے بلکہ تمام کتاب طاطری کا راوی ہے گویا شیخ نے کتاب طاطری دوسند سے روایت کی ہے ایک ضعیف ہے اور ایک معتبر ہے۔

مرحوم بروجردی نے اس نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ اولاً آپ نے جو فرمایا جو طرق علماء رجال نے ذکر کیے وہ انتہائی قلیل ہیں جو مقصد میں مفید نہیں ہیں یہ بات درست نہیں ہے وہ طرق اگرچہ قلیل ہیں لیکن شیخ نے ان طرق کے ساتھ جو روایات نقل کی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں مثلاً:

۱۔ ما رواه بطرقه عن احمد بن محمد بن عیسٰی تقریباً ۱۲۰۰ حدیث۔

۲۔ عن الحسن بن محمد بن سماعه تقریباً ۸۰۰ حدیث۔

۳۔ عن الحسین بن سعید تقریباً ۲۵۰۰ حدیث۔

۴۔ عن سعد بن عبد الله تقریباً ۶۰۰ حدیث۔

۵۔ عن احمد بن محمد بن یحیٰی تقریباً ۹۵۰ حدیث۔

۶۔ عن محمد بن علی بن محبوب تقریباً ۷۰۰ حدیث۔

اس کے علاوہ جن مشائخ تک آپ کا طریق صحیح ہے ان سے منقول روایات

Presented by Ziaraat.Com

کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے پس کیسے مفید نہیں ہے۔

وثانیاً: جب موسیٰ بن القاسم روایت کرے عن علی بن الحسن الطاطری اس میں تین احتمال ہیں:

۱۔ ہوسکتا ہے انہوں نے حدیث کو خود کتاب طاطری سے اخذ کیا ہو اس صورت میں آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا درست ہوگا۔

۲۔ ہوسکتا ہے موسیٰ بن قاسم نے یہ حدیث کتاب درست ابن ابی منصور سے لی ہو کہ اس کتاب کو اس سے بواسطہ طاطری روایت کیا ہو۔

۳۔ ہوسکتا ہے یہ حدیث کتاب ابن مسکان سے لی ہو اور یہ کتاب اس سے دو واسطہ (طاطری و درست) کے ذریعے نقل کی ہو۔ ان دو احتمال کی بناء پر شیخ کو کتاب درست و کتاب ابن مسکان تک تو سند صحیح حاصل ہو جائے گی لیکن خود کتاب طاطری تک طریق صحیح حاصل نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ اگر ابتداء سند میں شیخ واقع ہو اور اس تک طریق ضعیف ہو تو اس کی اصلاح اس سے نہیں ہوسکتی جہاں وہ وسط سند میں واقع ہے اگرچہ وہاں اس تک طریق صحیح ہو کیونکہ وسط سند میں واقع ہونا تو دلالت نہیں کرتا کہ روایت اس کی کتاب سے لی گئی ہے ہوسکتا ہے روایت اس کے شیخ درست یا ابن مسکان کی کتاب سے لی گئی ہو۔

اور جن شیوخ کو ابتداء سند میں ذکر کیا اور مشیخہ میں ان تک اپنی سند ذکر نہیں کی ان کی روایات زیادہ نہیں ہیں ۵۰۰ تک ہیں۔

الاستبصار فیما اختلف فیه من الاخبار

یہ کتاب بھی شیخ نے احادیث میں اختلاف و تعارض دفع کرنے کی خاطر لکھی

Presented by Ziaraat.Com

گویا یہ کتاب اخبار متعارضہ کے ذکر اور ان کے درمیان طریق جمع کی خاطر لکھی گئی۔

اس کی وجہ تالیف بھی شیخ نے اس کے مقدمہ میں لکھی ہے کہ ہماری کتاب تہذیب الاحکام کو جب ہمارے اصحاب کی جماعت نے دیکھا اور اکثر احکام فقہ پر مشتمل پایا تو اسے ایسی کتاب پایا جس کی طرف تفقہ کیلئے مبتدی و متوسط و منتہی سب رجوع کر سکتے ہیں تو انہوں نے چاہا کہ ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں احادیث مختلفہ اختصار کے ساتھ جمع ہوں۔

و ان ابتدء فی کل باب بایراد ما اعتمدہ من الفتوی والاحادیث فیہ ثمّ اعقّب بما یخالفھا من الاخبار و ابیّن وجہ الجمع بینھا علی وجہ لا اُسقط شیئا فھا ما امکن ذلك فیہ ۔

آخر کتاب میں کہتے ہیں: **کنت سلکت فی اول الکتاب ایراد الاحادیث باسانیدھا و علٰی ذلك اعتمدت فی الجزء الاول والثانی ثم اختصرت فی الجزء الثالث و عوّلت علی الابتداء بذکر الراوی الذی اخذت الحدیث من کتابہ او اصلہ علی ان اورد عند الفراغ من الکتاب جملۃ من الاسانید یتوصل بھا الی ھذہ الکتب والاصول حسب ما علیہ فی کتاب تھذیب الاحکام۔**

صحۃ احادیث مذکورہ فی الکتابین

بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تہذیبین کی تمام احادیث صحیح ہیں۔

اس کے پیش نظر جوابی میں فیض کاشانی نے عدۃ الاصول سے نقل کیا کہ **ان ما اوردہ فی کتابی الاخبار انّما آخذہ من الاصول المعتمد علیھا ۔**

اولاً تو یہ عبارت عدہ سے ثابت نہیں ثانیاً ثابت ہو تو بھی اصل کا معتمد علیہ

Presented by Ziaraat.Com

ہونا موجب نہیں بنتا کہ اس کی تمام احادیث مورد اعتماد ہوں اس کے علاوہ شیخ نے خود ان احادیث میں سے بہت سی احادیث پر سندی اشکال کیا ہے۔

شیخ نے خود اس کتاب کی احادیث کا احصاء کیا ہے۔ خود فرماتے ہیں:

واعلموا ایدکم اللّٰہ انّی جزّأت ھذا الکتاب (استبصار) ثلاثۃ اجزاء الجزء الاول والثانی یشتملان علی ما یتعلق بالعبادات والثالث یتعلق بالمعاملات،

الجزء الاول فی ۳۰۰ باباً و ۱۸۹۹ حدیثا۔

و الجزء الثانی فی ۲۱۷ بابا و ۱۱۷۷ حدیثا۔

و الجزء الثالث فی ۳۹۸ بابا و ۲۴۵۵ حدیثا۔

طریقہ شیخ اردبیلی کے بعد دوسرا طریقہ شیخ مجلسی کا ہے جو آپ نے کتاب الاربعین میں ذکر کیا ہے کہ اگر شیخ طوسی کا طریق صاحب کتاب تک ضعیف ہو تو اگر اس صاحب کتاب تک شیخ صدوق کا طریق صحیح ہو تو اس پر اعتماد کرتے ہوئے شیخ طوسیؒ کے طریق کو اس سے تبدیل کر سکتے ہیں کیونکہ شیخ طوسی شیخ صدوق کی تمام روایات تک طریق صحیح رکھتے ہیں اس لئے شیخ طوسی شیخ صدوق کی تمام روایات کو شیخ مفید کے ذریعے روایت کرتے ہیں۔ یوں شیخ طوسی کے لئے وہی شیخ صدوق کا طریق ثابت ہو جائے گا صاحب کتاب تک اس طریقے میں اشکال تعدد نسخ کا ہے ممکن ہے ایک نسخہ وہ ہے جس تک شیخ طوسی کا طریق ہے اور دوسرا نسخہ اور ہو جس سے شیخ صدوق روایت کرتے ہوں اپنے طریق سے، ایسی صورت میں ممکن ہے جو حدیث شیخ طوسی اپنے طریق سے نقل کر رہے ہیں وہ اس نسخہ میں موجود ہی نہ ہو جس سے صدوق نقل کر رہے ہیں جیسا کہ شیخ نے فہرس میں علاء بن رزین کے ترجمہ میں ذکر کیا کہ اس کی کتاب کے چار نسخے تھے اور

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

شیخ کے لئے ہر نسخے تک الگ طریق ہے۔

تیسرا طریقہ

طریقہ تبدیل سند و تلفیق بین سندین ہے۔

یعنی اگر ہمیں ایک روایت دو مختلف طریق سے پہنچے ہر ایک میں ایک ایک جہت سے ضعف ہو۔

مثلاً: شیخ طوسی روایت کرتے ہیں ذیل کی سند کے ساتھ

المفید عن احمد بن محمد عن ابیه عن سعد بن عبدالله عن احمد بن محمد عن الحسین بن الحسن عن زرعه عن سماعه عن الامام الصادق علیه السلام۔

اس سند میں سب رجال ثقہ ہیں سوائے احمد بن محمد کے جو کہ شیخ مفید کے مشائخ میں سے تھے یہ احمد بن محمد بن الحسن بن الولید ہیں (اس بناء پر کہ شیخوخة الاجازہ ہونا وثاقت کے اثبات کیلئے کافی نہ ہو)۔

اسی روایت کو کلینی نے اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن علی بن اسماعیل عن عثمان بن عیسیٰ عن زرعه عن سماعه عن الامام الصادق علیه السلام۔

اس سند میں بھی سارے روایات ثقات ہیں سوائے علی بن اسماعیل کے۔

اب پہلی سند میں احمد بن محمد کے بارے میں مسئلہ ہے اس کی طرف سے مشکل کو دوسری سند سے حل کریں چونکہ کلینی کی سند میں یہ نہیں ہے بلکہ کلینی نے محمد بن یحییٰ سے روایت کی ہے اور دوسری سند میں ضعف علی بن اسماعیل کی وجہ سے ہے اس مشکل کو پہلی سند

سے دور کریں کہ اس میں علی بن اسماعیل نہیں ہے یعنی کلینی کو محمد بن یحییٰ نے یہ روایت بیان کی ہے اب اس کے بعد طریق اوّل کو اخذ کریں۔

اس طریقہ پر اشکال یہ ہے کہ ہوسکتا ہے پہلی سند کا جو راوی ضعیف ہے اس نے اپنے سے اوپر والی سند خود جعل کی ہو۔ اگر ایسا ہو تو اسے اصلاً اخذ کرنا صحیح نہیں ہوگا پس ہمارے پاس صرف دوسری سند ہے جو کہ ضعیف ہے۔

چوتھا طریقہ مرزا محمد بن استرآبادی کا ہے

کہ مثلاً طریق صدوق عبید بن زرارہ تک ضعیف ہے حکم بن مسکین کی وجہ سے دو امر کے ذریعے اس کی تصحیح کر سکتے ہیں:

اوّلاً: نجاشی کا طریق عبید تک صحیح ہے وہ ترجمہ عبید میں فرماتے ہیں: **لہ کتاب یرویہ جماعۃ عنہ، اخبرنا عدّہ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن یحییٰ عن عبداللّٰہ بن جعفر الحمیری عن ابی الخطاب و محمد بن عبد الجبار و احمد بن محمد بن عیسٰی عن محمد بن اسماعیل بن بزیع عن حماد بن عثمان عن عبید بکتابہ۔**

وثانیاً: نجاشی کے طریق میں عبداللہ بن جعفر ہیں اور فہرست شیخ میں شیخ نے عبداللہ بن جعفر تک اپنا اور طریق ذکر کیا ہے: **اخبرنا بجمیع کتبہ و روایاتہ الشیخ المفید عن ابی جعفر ابن بابویہ عن ابیہ عن محمد بن الحسن عنہ۔** اس سے پتہ چلا کہ صدوق حمیری کی تمام روایات طریق صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور امر اول میں معلوم ہوگیا کہ عبداللہ بن جعفر حمیری عبید کی تمام روایات تک طریق صحیح رکھتے ہیں در نتیجہ صدوق کا طریق عبید کی تمام روایات تک صحیح ہو جائے گا جو کہ یوں بنے گا: **الصدوق عن ابیہ و محمد بن الحسن عن الحمیری**

Presented by Ziaraat.Com

عن ابی الخطاب الخ۔

اس طریقہ پر اشکال یہ ہے کہ اس طریقے سے اس روایت کی تصحیح تو کر سکتے ہیں کہ جس کا کتاب عبید میں ہونا ثابت ہو جائے لیکن یہ کیسے ثابت ہو کہ صدوق نے فقیہ میں جو روایت نقل کی ہے اور جس کی سند میں حکم بن مسکین موجود ہے یہ کتاب عبید میں موجود تھی ہوسکتا ہے حکم نے یہ روایت جعل کی ہو، ہاں اگر صدوق نے روایت کتاب حمیری سے لی ہو نہ کہ کتاب عبید سے جو انہیں حکم کے ذریعے پہنچی ہو تو اس صورت میں یہ طریقہ مفید ہوگا۔

پانچواں طریقہ آقای خوئی قدس سرہ کا طریقہ ہے

شیخ طوسی نے کچھ روایات علی بن الحسن بن فضال سے روایت کی ہیں۔ شیخ فہرس میں فرماتے ہیں: **اخبرنا بجمیع کتبه قراءة علیه اکثرها والباقی اجازةً احمد بن عبدون عن علی بن محمد بن الزبیر سماعا و اجازه عنه**۔ احمد بن عبدون کی توثیق اگرچہ شیخ و نجاشی نے نہیں کی لیکن آپ مشائخ نجاشی میں سے تھے اس طریق سے ان کی توثیق ثابت ہو جائے گی کما مرّ۔ لیکن ابن زبیر کی توثیق نہیں ہوئی اس کا لازمہ یہ ہے کہ شیخ نے جتنی روایات کتاب علی بن حسن بن فضال سے روایت کی ہیں سب ساقط ہو جائیں گی اس کا حل آقای خوئی یوں کرتے ہیں کہ جب ہم رجال نجاشی کی طرف مراجعہ کریں تو دیکھتے ہیں ترجمہ علی بن حسن بن فضال میں ذکر کرتے ہیں کہ ان کا طریق ان تک ابن عبدون سے شروع ہوتا ہے اور ابن زبیر بیچ میں واسطہ نہیں ہے یعنی یہ طریق صحیح ہے اور ابن عبدون شیخ طوسی و نجاشی دونوں کے استاد ہیں تو جب نجاشی کا طریق صحیح ہے تو شیخ کا بھی صحیح ہوگا چونکہ ابن عبدون جو اپنے دونوں شاگردوں کے لئے نقل کیا ہے وہ ایک جیسا ہے یعنی ابن عبدون تک کتاب ابن

Presented by Ziaraat.Com

فضال دو طریق سے پہنچی ہے ایک صحیح ہے جو کہ طریق نجاشی ہے لہٰذا جب شیخ ابن فضال کی روایات کو ابن عبدون کے واسطہ سے نقل کریں گے تو وہ حجت ہوں گی۔

اس طریقے میں بھی وہی اشکال ہے کہ ہوسکتا ہے ابن عبدون کے پاس کتاب کے دو نسخے ہوں ایک نسخہ انہوں نے شیخ طوسی کو ابن زبیر کے توسط سے روایت کیا ہو دوسرا نجاشی کو دوسرے واسطہ سے روایت کیا ہو۔

اس کے علاوہ نجاشی کے ابن فضال تک دو طریقے ہیں:

۱۔ ابن عبدون عن ابن الزبیر عن علی بن الحسن ۔

۲۔ محمد بن جعفر عن احمد بن محمد بن سعید عن علی بن الحسن۔

پہلا طریق مفید نہیں ہے چونکہ ابن زبیر پر مشتمل ہے اگرچہ ابن عبدون سے شروع ہوا ہے اور دوسرا اگرچہ ابن زبیر پر مشتمل نہیں ہے لیکن ابن عبدون سے شروع نہیں ہوا لہٰذا دونوں مفید نہیں ہوں گے وہ طریق جو مفید ہے وہ ہے جو ابن عبدون سے شروع ہو اور ابن زبیر پر مشتمل نہ ہو چونکہ اگر ابن عبدون پر مشتمل نہ ہو تو پھر نجاشی و شیخ طوسی کا شیخ ایک نہیں ہوگا۔

تطبیق عملی

۱۔ وسائل باب ۵ از ابواب القیام کتاب الصلوٰۃ حدیث ہے

علی بن جعفر فی کتابہ عن اخیہ قال سئلتہ عن المریض.....

شیخ حر عاملی اس روایت کو کتاب علی بن جعفر سے روایت کرتے ہیں یہ کتاب ان کے پاس تھی اور وسائل کے مصادر میں سے ہے۔ اس کتاب تک ان کا طریق صحیح

Presented by Ziaraat.Com

ہے چونکہ صاحب وسائل نے سب مصادر کو طرق معتبرہ سے حاصل کیا ہے جو شیخ طوسی پر منتہی ہوتے ہیں اور شیخ طوسی کا علی بن جعفر تک طریق معتبر ہے۔

لہٰذا حر عاملی کا طریق شیخ طوسی تک یہ آخر وسائل میں فائدہ خامسہ میں بیان کیا ہے وہاں سب طرق کو ذکر کیا ہے۔

لہٰذا شیخ کا علی بن جعفر تک جو طریق مشیخہ میں ہے وہ اگرچہ ضعیف ہے وہ کہتے ہیں: **وما ذکرتہ من علیّ بن جعفر فقد اخبرنی بہ الحسین بن عبید اللّٰہ عن احمد بن محمد بن یحییٰ عن العمرکی النیشابوری البوفکی عن علیّ بن جعفر۔**

اس سند میں احمد بن محمد بن یحییٰ کی توثیق نہیں ہوئی (اگر مشائخ اجازہ ہونا اثبات وثاقت کے لئے کافی نہ ہو) لہٰذا یہ سند ضعیف ہوگی لیکن فہرست میں طریق صحیح مذکور ہے: **قال اخبرنا بذلك جماعة عن محمد بن علی بن الحسین عن ابیہ عن محمد بن یحییٰ عن العمرکی الخراسانی البوفکی عن علی بن جعفر عن اخیہ موسیٰ الکاظم علیہ السلام.**

و رواہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ عن ابیہ عن سعد و الحمیری و احمد بن ادریس و علی بن موسیٰ عن احمد بن محمد عن موسیٰ بن القاسم البجلی عنہ۔

اس عبارت میں شیخ نے علی بن جعفر تک دو طریق ذکر کئے ہیں۔ یہ دونوں صحیح ہیں پہلے جماعة من اصحابنا ہیں یہ کم از کم تین ہیں اور اطمینانا ان میں سے ایک شیخ مفید یا حسین بن عبید اللہ الغضائری ہیں باقی سب ثقات ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

فوائد رجالیہ

فائدہ ۱

اصحاب امامیہ کتب اخبار میں کچھ رجال سے روایت کرتے ہیں جنہیں کبھی کنیت سے ذکر کیا جاتا ہے، کبھی القاب سے اور کبھی ان کے مشہور نام سے یا غیر مشہور نام سے، فہرس ورجال میں عموماً ان کے مشہور نام ذکر کئے جاتے ہیں اور جو نام روایات میں آئے ہیں ان کی پروا نہیں کی جاتی۔ علامہ نے خلاصہ کے خاتمہ میں اور ابن داؤد نے رجال کی قسم اول کے خاتمہ میں انہیں جمع کیا ہے جو کنیت سے مشہور تھے، استاد جعفر سبحانی مدظلہ نے کلیات فی علم الرجال میں ۵۲ افراد کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ ابواحمد الازدی — یہ — محمد بن ابی عمیر ہیں۔

۲۔ ابوایوب الانصاری — یہ — خالد بن زید ہیں۔

۳۔ ابوایوب الخزاز — یہ — ابراہیم بن عیسیٰ ہیں۔

۴۔ ابوبکر الحضرمی — یہ — عبداللہ بن محمد ہیں۔

۵۔ ابوالبلاد — یہ — یحییٰ بن سلیم ہیں۔

۶۔ ابوجعفر — یہ — احمد بن محمد بن عیسیٰ ہیں۔

شیخ وغیرہ بہت سی روایات میں کہتے ہیں: سعد بن عبد اللہ عن ابی جعفر۔

۷۔ ابوجعفر الاحول — یہ — محمد بن نعمان ملقب بالمومن الطاق ہیں۔

۸۔ ابوجعفر الزیات — یہ — محمد بن حسین بن ابی الخطاب ہمدانی ہیں۔

۹۔ ابوجعفر الرواسی — یہ — محمد بن الحسن بن ابی سارہ ہیں۔

۱۰۔ ابوجمیلہ — یہ — مفضل بن صالح السکونی ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

۱۱۔ ابوالجوزاء	یہ	منبہ بن عبداللہ ہیں۔
۱۲۔ ابوالحیش	یہ	مظفر بن محمد بن احمد البلخی ہیں۔
۱۳۔ ابوحمران	یہ	موسیٰ بن ابراہیم المروزی ہیں۔
۱۴۔ ابوحمزہ ثمالی	یہ	ثابت بن ابی صفیہ دینار ہیں۔
۱۵۔ ابوحنیفہ سائق الحاج	یہ	سعید بن بیان ہیں۔
۱۶۔ ابوخالد القماط	یہ	یزید ہیں۔
۱۷۔ ابوخدیجہ	یہ	سالم بن مکرم ہیں۔
۱۸۔ ابوالخطاب ملعون	یہ	محمد بن مقلاص ہیں۔ کنیت ابواسماعیل و ابوالظبیان تھی۔
۱۹۔ ابوداؤد المسترق	یہ	سلیمان بن سفیان، انہیں مسترق اس لئے کہا گیا چونکہ یہ لوگوں کو سید حمیری کے اشعار سنا کر استرقاق کر لیتے تھے۔ (غلام بنالینا)
۲۰۔ ابوالربیع الشامی	یہ	خلید بن اوفیٰ ہیں۔
۲۱۔ ابوسعید القماط	یہ	خالد بن سعید ہیں۔
۲۲۔ ابوسمینہ	یہ	یہ محمد بن علی بن ابراہیم القرشی ہیں۔
۲۳۔ ابوالصباح الکنانی	یہ	ابراہیم بن العبدی ہیں۔
۲۴۔ ابوعلی الاشعری	یہ	محمد بن عیسیٰ بن عبداللہ بن سعد بن مالک شیخ القمیین ہیں۔
۲۵۔ ابوعلی الاشعری القمی	یہ	یہ احمد بن ادریس ہیں از مشائخ کلینی

Presented by Ziaraat.Com

۲۶۔ ابوعبیدہ الحذاء	یہ	زیاد بن عیسیٰ ہیں۔
۲۷۔ ابوغالب الرازی	یہ	احمد بن محمد بن سلیمان ہیں۔
۲۸۔ ابوالفضل الخیاط	یہ	سالم ہیں۔
۲۹۔ ابوالقاسم	یہ	معاویہ بن عمار ہیں۔
		بعض اخبار میں ہے: حسن بن محبوب عن ابی القاسم۔
۳۰۔ ابوالمغراء	یہ	حمید بن مثنیٰ ہیں۔
۳۱۔ ابوولاّ دالخیاط	یہ	حفص بن سالم ہیں۔
۳۲۔ ابوہاشم الجعفری	یہ	داؤد بن قاسم بن اسحاق ہیں۔
۳۳۔ ابوھمام	یہ	اسماعیل بن ھمام ہیں۔
۳۴۔ ابن حمدون الکاتب	یہ	احمد بن ابراہیم بن اسماعیل ہیں۔
۳۵۔ ابن عقدہ	یہ	احمد بن محمد بن سعید ہیں۔ (۳۳۳)
۳۶۔ البزوفری	یہ	حسین بن علی بن سفیان ہیں۔
۳۷ بقباق	یہ	مفضل بن عبدالملک ہیں۔
۳۸۔ حجال	یہ	عبداللہ بن محمد الاسدی ہیں۔
۳۹۔ سجادہ	یہ	حسن بن ابی عثمان ہیں۔
۴۰۔ خشاب	یہ	حسن بن موسیٰ ہیں۔
۴۱۔ سمکۃ	یہ	احمد بن اسماعیل ہیں۔
۴۲۔ شاذانی	یہ	محمد بن احمد بن نعیم ہیں۔
۴۳۔ صفوانی	یہ	محمد بن احمد بن عبداللہ بن قضاعہ ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

۴۴۔ الطاطری	یہ	علی بن حسن بن محمد الطائی ہیں۔
۴۵۔ علان	یہ	علی بن محمد بن ابراہیم الکلینی ہیں۔
۴۶۔ ابوجعفر القلانسی	یہ	محمد بن احمد بن خاقان ہیں۔
۴۷۔ ابوعبداللہ القلانسی	یہ	حسین بن مختار ہیں۔
۴۸۔ نوفلی	یہ	حسین بن یزید ہیں سکونی سے روایت کرتے ہیں۔
۴۹۔ وشاء	یہ	حسن بن علی بن زیاد ہیں۔
۵۰۔ حمدان النھدی	یہ	محمد بن احمد بن خاقان ہیں۔
۵۱۔ محمد بن زیاد الازدی	یہ	ابن ابی عمیر ہیں۔
۵۲۔ محمد بن زیاد البزاز	یہ	بھی ابن ابی عمیر ہیں۔

فائدہ ۲

علامہ نے خلاصہ میں اور ابن داؤد نے رجال میں کہا ہے کہ ابراہیم بن ہاشم جب حماد سے روایت کریں تو بعض تو ہم کرتے ہیں یہ حماد بن عثمان ہیں یہ غلط ہے ابراہیم بن ہاشم حماد بن عثمان سے نہیں ملے بلکہ یہ حماد بن عیسیٰ ہیں حماد بن عثمان کی وفات ۱۹۰ میں ہوئی جبکہ حماد بن عیسیٰ کی وفات ۲۰۹ میں ہوئی۔ یہ بات اصل میں صدوق نے مشیخہ میں کی۔ وہ فرماتے ہیں: **وما کان فیہ من وصیة امیر المؤمنین علیہ السلام لابنہ محمد بن الحنفیة رضی اللّٰہ عنہ فقد رویتہ عن ابی. رضی اللّٰہ عنہ. عن علی بن ابراھیم بن ھاشم عن ابیہ عن حمّاد بن عیسٰی عمّن ذکرہ عن ابی عبد اللّٰہ و یغلط اکثر الناس فی ھذا الاسناد فیجعلون و کان حماد بن عیسٰی حماد بن عثمان و ابراھیم**

Presented by Ziaraat.Com

بن هاشم لم یلق حماد بن عثمان و انما لقی حمّاد بن عیسٰی و روی عنه۔

فائدہ ۳

ابن داؤد کہتے ہیں: اگر روایت وارد ہو جس میں موسیٰ بن القاسم حماد سے روایت کریں تو اسے مرسلہ خیال نہ کرنا اس لئے کہ حماد رجال امام صادق علیہ السلام میں سے ہیں چونکہ یا حماد بن عثمان ہیں جو کہ امام رضا علیہ السلام کے زمانے تک زندہ تھے، اور حماد بن عیسیٰ امام صادق علیہ السلام سے ملے ہیں یہ ابو جعفر ثانی (امام محمد تقی علیہ السلام) کے دور تک زندہ تھے۔ جحفہ میں غسل احرام کرتے ہوئے غرق ہونے کی وجہ سے فوت ہوئے۔

فائدہ ۴

تقریباً ۲۲۷۵ احادیث میں عنوان ابو بصیر وارد ہوا ہے، ان سے مراد میں اختلاف ہوا ہے نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کتنے افراد ہیں جو ابو بصیر کہلاتے ہیں۔ بعض نے کہا: دو ہیں۔ بعض نے تین کہا۔ بہت سوں نے چار کہا۔ مشہور چار ہیں جیسا کہ ابن داؤد تفرشی اور علامہ مامقانی نے فرمایا ہے۔

(۱) لیث بن البختری۔ (۲) یحییٰ بن القاسم۔

(۳) یوسف بن الحارث البتری۔ (۴) عبداللہ بن محمد الاسدی

یہ سب ثقہ نہیں ہیں بلکہ بعض ضعیف ہیں۔

معجم رجال الحدیث میں ہے جب ابو بصیر مطلق ہو تو یحییٰ ابن ابی القاسم الاسدی مراد ہوں گے (جو کہ ثقہ ہیں)، زیادہ سے زیادہ مردد ہوگا ان کے درمیان اور لیث بن البختری کے درمیان کہ یہ بھی ثقہ ہیں۔ اور دوسرے اس کنیت کے ساتھ شہرت نہیں رکھتے تھے۔ (معجم، جلد ۲۱، صفحہ ۴۷)

Presented by Ziaraat.Com

استاد سبحانی فرماتے ہیں:

الف: عبداللہ بن محمد الاسدی کتب رجال میں اس نام سے ذکر ہوئے ہیں اور اسناد روایات میں عبداللہ النجّال، عبداللہ بن محمد بن النجّال، ابی محمد النجال، عبداللہ المزخرف، (جو کہ اصحاب امام رضاؑ) میں سے ہیں ذکر ہوئے ہیں۔ یہ طبقہ کے لحاظ سے لیث بن البختری اور یحییٰ بن ابی القاسم سے مشترک نہیں ہو سکتے۔

امّا ابو بصیر عبداللہ بن محمد الاسدی اس کا ذکر کتب رجال میں نہیں سوائے اس کے جو کشی نے رجال میں کہا ہے ان کا نام لینے کے بعد ایک روایت ذکر کی ہے لیکن اس میں بھی کوئی قرینہ نہیں ہے کہ یہ مراد ہیں چونکہ ابو بصیر مطلق آیا ہے اور اس سے راوی عبداللہ بن الوضاح ہیں جو کہ یحییٰ بن ابی القاسم کے رواۃ میں سے تھے اور مروی عنہ امام صادقؑ ہیں جس میں حضرت نے یا ابا محمد کہہ کر انہیں مخاطب کیا ہے اور یہ یحییٰ کی کنیت تھی۔ لہٰذا کشی سے سوال کرنا چاہئے کہ آپ کیسے کہتے ہیں یہ یحییٰ بن ابی القاسم نہیں ہیں بلکہ عبداللہ بن محمد الاسدی ہیں۔ اسی وجہ سے علامہ کلباسی نے کہا: کشی نے بلاوجہ یہ روایت یہاں ذکر کی ہے اور علامہ تستری نے کہا: اس نام کا کوئی آدمی موجود نہیں تھا.....

اور علی بن الحسن الفضال سے جب ابو بصیر کے بارے سوال ہوا تو آپ نے کہا: **اسمه یحیٰی بن ابی القاسم کان یکنّٰی ابا محمد و کان مولی لبنی اسد و کان مکفوفًا۔** (اختیار معرفۃ الرجال، رقم ۲۹۶)

ب:۔ شیخ نے رجال میں ذکر کیا: **یوسف بن الحارث بتری یکنّٰی ابا بصیر** ان کا مستند بعض نسخ کشی ہیں جس میں یہ وارد ہیں لیکن کشی کے تصحیح شدہ نسخ میں بقول قہپائی ابو نصر بن یوسف بن الحارث بصری ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

اگر ایسی کنیت یہ رکھتے بھی ہوں تب بھی اس کنیت کے ساتھ مشہور نہیں تھے۔ اور یہ شخص ثقہ نہیں تھا بلکہ بتری تھا اور بتریہ وہ ہیں جو کثیر النواء حسن بن صالح بن حی و سالم بن ابی حفصہ وحکم بن عتیبہ وسلمہ بن کھیل اور ابی المقدام ثابت الحدّاد کے اصحاب میں سے تھے انہوں نے ولایت علی علیہ السلام کی دعوت دی پھر ولایت ابوبکر وعمر کے داعی بنے اور ان دونوں کی امامت کے قائل تھے اور اولاد امامؑ میں جو بھی خروج کرتا اس کی امامت کی قائل تھے۔

ج:۔ لیث بن البختری امام محمد باقر، امام جعفر صادق اور امام کاظم علیہم السلام کے اصحاب میں سے تھے اور آپ ابوبصیر کی کنیت سے مشہور تھے۔ لیکن ان کی کنیت ابو محمد یا ابو یحییٰ ہونا اور ان کا مکفوف ہونا یہ دعویٰ محمد تقی مجلسی نے کیا ہے لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور ان کی وثاقت بلا تردید ثابت ہے اگرچہ کتب قدماء میں وارد نہیں ہے ان کے بارے بہت سی صحیح روایات وارد ہیں امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: بشّر المخبتین بالجنة برید بن معاویه العجلی و ابو بصیر لیث بن البختری المرادی و محمد بن مسلم و زراره اربعة نجباء الفاء الله علی حلاله و حرامه لولا هؤلاء انقطعت آثار النبوة و اندرست۔

(اختیار الرجال، صفحہ ۱۷۰، ح ۲۸۶)

ترجمہ: زرارہ سے سند صحیح کے ساتھ مروی ہے امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ما احد احیی ذکرنا و احادیث ابیؑ الاّ زراره و ابو بصیر لیث المرادی و محمد بن مسلم و برید بن معاویه العجلی ولولا هؤلاء ما کان احد یستنبط هذا، هؤلاء حفاظ الدین و امناء ابی علی حلاله و حرامه و هم السابقون الینا فی الدنیا والسابقون الینا فی الآخرة۔

Presented by Ziaraat.Com

ابن غضائری نے بھی آپ کی توثیق کی ہے۔

ان کی مذمت میں جو روایات صادر ہیں یا ضعیف ہیں اور جو موثق ہیں وہ تقیہ ہیں جیسا کہ زرارہ کے بارے ہیں۔

د:۔ یحییٰ بن ابی القاسم الاسدی یہ بھی اصحاب ائمہ ثلاثہ میں سے تھے اور آپ مکفوف ضریر البصر تھے آپ نے دنیا کو ایک یا دو دفعہ دیکھا امام پاک معجزہ کے ذریعے۔ آپ کی کنیت ابوبصیر و ابو محمد تھی آپ کے باپ کا نام اسحاق تھا، نجاشی نے آپ کا ذکر یحییٰ بن القاسم ابوبصیر الاسدی کہہ کر کیا پھر قیل کے ساتھ کہا: **یحییٰ بن ابی القاسم و اسم ابی القاسم اسحاق** ۔لیکن یہ کثرت سے مذکور ہے کہ آپ یحییٰ بن ابی القاسم تھے۔

آپ کی وثاقت بھی بلا اشکال ہے علماء رجال نے توثیق کی ہے کافی میں سند صحیح کے ساتھ شعیب عقرقوفی روایت کرتے ہیں: **(ابن اخت ابی بصیر) قلت لابی عبد اللّٰہ ربّما احتجنا ان نسئل فمن نسئل قال علیك بالاسدی یعنی ابابصیر۔**

روایات میں ہے کہ امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام انہیں یا ابا محمد کہہ کر خطاب کرتے جو کہ تعظیم پر دال ہے۔ان کی طرف وقف کی نسبت دی گئی ہے لیکن یہ توہم اس وجہ سے پیدا ہوا کہ ان کا نام یحییٰ بن ابی القاسم الحذّاء واقفی کے مشابہ تھا جبکہ ابی بصیر ۱۵۰ میں فوت ہو گئے اور وقف بعد از شہادتِ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پیدا ہوا۔

المرادی و اسدی میں تمیز

یہ دونوں ثقہ تھے ان میں اشتراک سے کوئی مشکل تو پیش نہیں آتی لیکن فائدہ رجالی کی بناء پر جو علماء رجال نے کہا یہاں ذکر کرتے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

علی بن ابی حمزہ ابوبصیر اسدی سے روایت کرتے ہیں اور ان کے قائد تھے اور ظاہراً ابن ابی حمزہ نے مرادی سے اصلاً روایت نہیں کی۔

اور اگر شعیب عقرقوفی، عبداللہ بن وضاح، حسین بن ابی العلاء اور جعفر بن عثمان روایت کریں تو یہ ابوبصیر اسدی ہوں گے۔ اور اگر ابوبصیر سے عبداللہ بن مسکان یا ابوجلیلہ مفضل بن صالح یا ابان بن عثمان روایت کریں تو لیث مرادی ہوں گے۔

علامہ خوانساری و محقق تستری نے کہا ہے کہ جب بھی بقول مطلق بولا جائے مراد یحییٰ بن ابی القاسم الاسدی ہوں گے۔ چونکہ لیث مطلق ابوبصیر کے ساتھ نہیں بولے جاتے بلکہ غالباً نام کے ساتھ اور کنیت ہو تو مرادی کے ساتھ بولے جاتے ہیں۔

فائدہ ۵

عنایۃ اللہ قہپائی مجمع الرجال میں فرماتے ہیں:

۱۔ ابن مسکان جب محمد الحلبی سے روایت کریں تو ظاہراً یہ عبداللہ ہیں جیسا کہ رجال نجاشی میں ان کے ترجمہ میں مذکور ہے۔

۲۔ جب محمد بن الحسین روایت کرے: عن محمد بن یحییٰ تو اول سے مراد ابی الخطاب ہیں اور دوسرے سے مراد خزاز ہیں جیسا کہ فہرست میں ترجمہ غیاث بن ابراہیم میں مذکور ہے۔

۳۔ اگر وارد ہو موسیٰ بن القاسم عن علی عنہما، تو علی سے مراد علی بن الحسن الطاطری ہے اور عنہما سے مراد محمد بن ابی حمزہ اور درست ہیں بعض دفعہ علی کی جگہ الجرمی کی تعبیر آئی ہے یہ انہی کا لقب ہے۔

۴۔ احمد بن محمد عباس بن موسیٰ الوراق سے بھی روایت کرتے ہیں اور

Presented by Ziaraat.Com

عباس بن معروف سے بھی لہٰذا اگر عباس مطلق ذکر ہوں تو دونوں میں مشترک ہے۔

۵۔ اگر محمد بن علی بن محبوب عباس سے روایت کریں اس طرح احمد بن محمد بن یحییٰ عباس سے روایت کریں تو یہ عباس بن معرف ہوں گے۔

۶۔ اگر فضالہ ابان سے روایت کریں تو یہ ابان بن عثمان ہیں، شیخ نے تہذیب کی جزء اول کے زیارات میں اسے معین کیا ہے۔

۷۔ اور اگر فضالہ، ابن سنان سے روایت کریں تو یہ عبداللہ بن سنان ہیں جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہوئی ہے۔

۸۔ اگر فضالہ حسین سے روایت کریں تو یہ حسین بن عثمان ہیں جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے۔

(تہذیب، جلد ا، صفحہ ۱۴۸)

۹۔ علامہ نے فوائد خلاصہ میں کہا: بہت سی اخبار میں ہے سعد بن عبداللہ عن ابی جعفر، یہ احمد بن محمد بن عیسیٰ ہیں البتہ یہ اس صورت میں ہے کہ ابو جعفر مطلق ہو ورنہ دوسرے موارد میں تعیین بھی ہوئی ہے مثلاً کافی میں باب مولا الامام الصادق علیہ السلام میں ہے **سعد بن عبد اللّٰہ عن ابی جعفر محمد بن عمرو بن سعید۔**

۱۰۔ شیخ عبدالنبی جزائری لکھتے ہیں کہ روایت میں اگر ابن سنان وارد ہو تو اگر **مروی عنہ امام صادق علیہ السلام** ہوں تو یہ عبداللہ ہیں نہ

Presented by Ziaraat.Com

کہ محمد (اگرچہ یہ دونوں بھائی ہیں جیسا کہ رجال شیخ میں ہے)۔

کیونکہ روایات کی تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں محمد کے نام کی تصریح ہے وہ امام صادق علیہ السلام سے واسطہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور شیخ نے رجال میں ایک جماعت کے نام ذکر کئے ہیں جو امام صادق علیہ السلام سے بلاواسطہ روایت نہیں کرتے ان میں محمد بن سنان کا نام بھی ہے۔

ہاں مشکل وہاں پیش آتی ہے جہاں ابن سنان سند کے وسط میں واقع ہو کہ کون سا مراد ہے؟ اگر اس سے راوی فضالہ بن ایوب یا نضر بن سوید ہو تو ظاہراً عبداللہ بن سنان مراد ہیں اور اگر راوی حسین بن سعید یا احمد بن محمد بن عیسیٰ ہیں تو ظاہراً محمد بن سنان مراد ہیں، اس وجہ سے محقق نے معتبر میں کہا: جس سند میں حسین بن سعید، ابن سنان سے روایت کریں وہ ضعیف ہے چونکہ یہ محمد بن سنان ہیں۔

(المعتبر، صفحہ ۲۵، الآثار)

شہید نے اس کے عبداللہ بن سنان ہونے کا احتمال دیا ہے جو کہ بعید ہے۔

(منتقی الجمان، فائدہ سادسہ)

اس کی وجہ وہ روایت ہے جو تہذیب کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔

حسین بن سعید عن عبد اللّٰہ بن سنان ۔لیکن تتبع اور اعتبار شاہد ہیں کہ یہ اغلاط میں سے ہے جو شیخ کی دونوں کتابوں میں واقع ہے۔

(حاوی الاقوال، خاتمہ)

لہٰذا جو بات اوپر شیخ سے نقل ہوئی کہ محمد و عبداللہ بن سنان بھائی تھے۔ بات مشہور نہیں ہے اور نہ ثابت ہے محمد کے باپ کا نام حسن تھا جو فوت ہو گیا تو اس کی پرورش اس کے دادا سنان نے کی جس کی وجہ سے وہ محمد بن سنان کے نام سے مشہور ہو گیا۔ شیخ

Presented by Ziaraat.Com

نے رجال میں کہا: محمد بن سنان بن طریف الهاشمی و اخوه عبدالله ۔ یہ دونوں غیر معروف تھے اور الگ ہیں نہ کہ محمد بن سنان معروف مراد ہے چونکہ یہ مولیٰ عمرو بن الحمیق خزاعی تھے۔

۱۱۔ اگر روایت میں سعد بن عبدالله عن جمیل اور عن حماد بن عیسیٰ ہو تو ظاہراً ارسال ہے روایت کی سند میں چونکہ ثابت یہ ہے کہ سعد حماد سے متعدد واسطہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور جمیل بھی حماد کے طبقہ کے ہیں۔

۱۲۔ اگر علاء روایت کریں محمد سے تو علاء ابن رزین عن محمد بن مسلم مراد ہے۔

اگر روایت احمد بن محمد سے ہو تو اگر شیخ کی کلام میں اول سند میں یا اس کے قریب ہو تو یہ ابن الولید ہیں اور اگر آخر سند میں عن الرضا علیه السلام ہو تو یہ بزنطی ہیں۔ اگر وسط سند میں ہو تو احمد بن محمد بن عیسیٰ اور اس کے غیر میں مشترک ہے طبقات کے ذریعے تعیین کرنا ہوگی۔

۱۴۔ اگر محمد بن یحییٰ سے روایت ہو تو اگر کلام کلینی میں ہو بغیر واسطہ کے ہو تو یہ عطار ہیں، اگر امام صادق علیہ السلام سے روایت کرے تو ہو سکتا ہے محمد بن یحییٰ الخراز ہوں جو کہ ثقہ ہیں، ہو سکتا ہے یہ شعمی ہوں یہ بھی ثقہ ہیں لیکن شیخ نے کہا یہ عامی ہیں۔

(الاستبصار، جلد ۲، صفحہ ۳۰۵)

Presented by Ziaraat.Com

فائدہ ۶

بعض کتب مشہورہ کے بارے گفتگو (یہ مسلم داوری کی کتاب الرجال سے خلاصہ ہے):

(۱) مستطرفات السرائر

یہ اس مجموعہ روایات پر مشتمل ہے جو شیخ محمد بن ادریس الحلّی نے اپنی کتاب فقہ السرائر کے آخر میں مندرج کی ہیں، آپ خود کتب واصول سے نقل کرتے ہیں بغیر سند کے جس سے ذہن میں آتا ہے کہ یہ سب مرسل روایات ہیں چونکہ ابن ادریس کا طریق ان کتب تک معروف نہیں ہے۔ البتہ آقای خوئیؒ نے روایات کتاب محمد بن علی بن محبوب اور نوادر البزنطی کا استثناء کیا ہے لیکن ایک اور طریق سے ان روایات کو ارسال سے خارج کر کے مسند کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ ابن ادریس شیخ طوسیؒ کی تمام کتب کو روایت کرتے ہیں کہ ان میں سے شیخ کی الفہرست بھی ہے پس شیخ کی جملہ اسناد ان کتب تک ابن ادریس کی اسناد شمار ہوں گی۔ اب جن جن اصول سے شیخ کی سند ہے اور وہ سند صحیح ہو تو مستطرفات کی روایات اس اصل سے صحیح شمار ہوں گی۔

(۲) نوادر الحکمة محمد بن احمد بن یحییٰ

نجاشی مصنف کے بارے فرماتے ہیں: **کان ثقة فی الحدیث الّا ان اصحابنا قالوا کان یروی عن الضعفاء و یعتمد علی المراسیل ولا یبالی عمّن اخذ، وکان محمد بن الحسن بن الولید یستثنیٰ من روایة محمد بن احمد بن یحییٰ ما رواہ عن:** ۔ کہ یہ ثقہ فی الحدیث تھے لیکن ہمارے اصحاب کہتے تھے کہ یہ ضعفاء سے روایت کرتے تھے اور مرسلہ روایات پر اعتماد کرتے تھے اور پروا نہیں کرتے تھے کہ روایت کس سے لے رہے ہیں اور محمد بن حسن بن ولید ان کی روایات سے استثناء کرتے ان روایات کو جو وہ درج ذیل افراد سے روایت کرتے

Presented by Ziaraat.Com

ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔

آپ نے ۲۵ افراد کا استثناء کیا ہے کہ یہ افراد یا اسناد ضعیف ہیں:

۱۔ محمد بن موسیٰ الهمدانی ۲۔ ما رواه عن رجل او یقول بعض اصحابنا

۳۔ محمد بن یحییٰ المعاذی ۴۔ او عن ابی عبد اللّٰه الرازی الجامورانی

۵۔ او عن ابی عبد اللّٰه السیاری ۶۔ عن یوسف ابن السخت

۷۔ عن وهب بن منبة ۸۔ عن ابی علی النیشاپوری

۹۔ عن ابی یحییٰ الواسطی ۱۰۔ عن محمد بن علی ابی سمینه

۱۱۔ عن سهل بن زیاد الآدمی ۱۲۔ عن محمد بن عیسیٰ بن عبید

۱۳۔ عن احمد بن هلال ۱۴۔ عن محمد بن علی الهمدانی

۱۵۔ عن عبداللّٰه بن محمد الشامی ۱۶۔ عن عبداللّٰه بن احمد الرازی

۱۷۔ عن احمد بن الحسین بن سعید ۱۸۔ احمد بن بشیر البرقی

۱۹۔ عن محمد بن هارون ۲۰۔ عن صمویه بن معروف

۲۱۔ عن محمد بن عبداللّٰه بن مهران ۲۲۔ ما ینفرد به حسن بن حسین اللولؤی

۲۳۔ عن جعفر بن محمد بن مالك ۲۴۔ یوسف بن الحارث.

۲۵۔ عبداللّٰه بن محمد الدمشقی

Presented by Ziaraat.Com

یہ استثناء ضعف راوی پر بلاشبہ دلالت کرتا ہے چونکہ ابوالعباس بن نوح نے اعتراض کیا ہے کہ محمد بن عیسیٰ بن عبید کو کیوں مستثنیٰ میں داخل کیا گیا جبکہ وہ ثقہ و عادل تھے اور شیخ طوسیؒ نے بھی اس استثناء پر اعتماد کیا ہے۔ آپ ابوسعید الآدمی کے بارے کہتے ہیں: **وهو ضعيف جدًا عند نقاد الاخبار و قد استثناه ابو جعفر بن بابويه في رجال نوادر الحكمة**۔ (استبصار، جلد۳، حدیث ۹۳۵)

اس استثناء سے پتہ چلتا ہے کہ باقی روات نوادر الحکمۃ ثقہ ہیں اور قابل اعتماد ہیں یا ممکن ہے مراد توثیق رواۃ نہ ہو بلکہ نوادر الحکمۃ کی روایات موثوق الصدور ہیں؟ بہرکیف یہ دوسرا امر تو ثابت ہے اور دوسرے امر کے بارے بحث ہے کہ بقیہ رواۃ میں بعض مسلماً ضعیف ہیں۔

(۳) دعائم الاسلام للقاضي ابي حنيفه نعمان بن ابي عبدالله محمد بن منصور التميمي المغربي

محدث نوری نے اس کتاب کو کتب معتبرہ میں سے شمار کیا ہے اور اس کی روایات کو صحیح شمار کیا ہے۔ مصنف کی اپنی شہادت بھی ہے مقدمہ میں۔

نقتصر فيه على الثابت الصحيح ممّا رويناه عن الائمة من اهل بيت رسول اللّٰه اجمعين ۔اس شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب میں سب روایات صحیح ہیں۔

امّا المصنف

آپ مصر میں فاطمی دور میں قاضی تھے، آپ کا ذکر جب ہوتا ہے تو قدح و مدح مذکور نہیں ہوتی۔ بعض نے مدح کی ہے صاحب معالم العلماء فرماتے ہیں: **ليس بامامي و كتبه حسان** ۔لیکن صاحب التقابیں نے کہا: آپ کی کتاب سے پتہ چلتا

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ آپ امامی تھے اس کے باوجود آپ کے بارے قدح و مذمت وارد نہیں ہے لہٰذا ممدوحین میں سے ہوں گے۔ چونکہ فاطمی دور میں تھے لہٰذا صرف تا امام صادق علیہ السلام سے روایات بیان کرتے ہیں بعد والے ائمہ سے روایت نہیں لی، ہوسکتا ہے خود بھی اسماعیلی ہوں اور ہوسکتا ہے تقیہ کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں، اسماعیلی ہوں تب بھی فرق نہیں پڑتا ہے اگر وثاقت ثابت ہو جائے تو ان کی کتاب سے روایات لی جاسکتی ہیں۔

اما الکتاب:۔ اس کتاب کا طریق ثابت نہیں ہے۔ اگرچہ محدث نوری نے اس کی تصحیح کا حکم لگایا اور کہا گیا ہے کہ کتاب مشہور تھی اسے طریق کی ضرورت نہیں لیکن یہ بات درست نہیں چونکہ دولت فاطمی کے انقراض کے بعد وہ شہرت نہ رہی جبکہ شہرت میں استمرار شرط ہے، اور خود شہادت مصنف بھی یہ وضاحت نہیں کرتی کہ روایات صحیحہ ہیں چونکہ بعد والے جملہ میں کہا: **من جملة ما اختلفت الرواة عنهم** کہ یہ شہادت صرف اختلافی روایات کے حوالے سے ہے لہٰذا شہادت بھی مجمل ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے۔

(۴) تفسیر قمی علی بن ابراهیم القمّی

مصنف نے مقدمہ تفسیر میں کہا: **ونحن ذاکرون و مخبرون بما ینتهی الینا و رواه مشائخنا و ثقاتنا عن الذین فرض الله طاعتهم و اوجب ولایتهم ولا یقبل عمل الاّ بهم۔**

اس شہادت سے بعض نے کہا کہ یہ توثیق عام ہے، تمام رواۃ کتاب کی صاحب وسائل نے کہا اور آیت اللہ خوئی نے بھی یہ قبول کیا البتہ ان الفاظ میں دقت کریں تو تین شرطیں ضروری ہیں:

(۱) راوی شیعہ ہو۔

Presented by Ziaraat.Com

(۲) سند معصوم تک متصل ہو، مرسل و مقطوع نہ ہو۔

(۳) منتهی الی المعصوم ہو۔

کتاب، آیا یہ تمام تفسیر علی بن ابراہیم کی ہے یا مجموعہ ہے دو تفسیروں کا۔ قمی اور ابی الجارود سے جن کو ابوالفضل العباس بن محمد بن القاسم بن حمزہ بن موسیٰ الکاظمؑ نے جمع کیا ہے چونکہ مقدمہ میں وہ کہتے ہیں: حدثنا علی بن ابراهیم۔

اس تفسیر کا جمع کرنے والا کتب رجال میں مذکور نہیں ہے، اور تفسیر ابی الجارود بھی ہمارے پاس موجود نہیں ہے، صرف نجاشی و شیخ نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور صحیح یہی ہے کہ یہ مجموعہ ہے دو تفسیروں کا، چونکہ:

(۱) علی بن ابراہیم اور ابراہیم بن ہاشم کے درمیان واسطہ موجود ہے جبکہ باپ اور بیٹے کے درمیان واسطہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) کتاب میں وارد ہے: راجع الی تفسیر علی بن ابراهیم۔

(۳) اس تفسیر میں احمد بن محمد سے کثرت سے روایت ہے جو کہ ظاہراً ابن عقدہ ہیں اور یہ ابن عقدہ کلینی کے راوی ہیں اور کلینی علی بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں۔

اور دونوں تفسیروں میں تمیز یوں ہو سکتی ہے کہ جہاں حدثنا ہو یا اخبرنا اور سند طولانی ہو وہ جامع کی طرف سے ہے اور جہاں حدثنی ابی ہو اور سند مختصر ہو وہ علی بن ابراہیم کی ہے اور اس کو یہ توثیق شامل ہوگی وہ بھی صرف بلا واسطہ رواۃ کو چونکہ مشائخنا و ثقاتنا کہا ہے۔

تفسیر ابی الجارود

زیاد بن المنذر ابو الجارود الهمدانی الاعمیٰ، یہ کوفی تھے، اصحاب

Presented by Ziaraat.Com

امام محمد باقر علیہ السلام سے تھے۔ زید کے خروج کے بعد یہ زیدی ہوگئے اور ان کی مذمت میں روایات کشی نے نقل کی ہیں، لیکن صدوق نے ایسی روایات نقل کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حق کی طرف لوٹ آئے تھے۔ نجاشی و شیخ اس تفسیر تک اپنی سند ذکر کرتے ہیں۔

(٤) کامل الزیارات

لابی القاسم جعفر بن محمد بن جعفر بن موسیٰ بن قولویه

اس کے بارے گفتگو پہلے گزر چکی ہے یہ بھی ان کتب میں سے ہے جن کی وثاقت کا دعویٰ کیا گیا ہے کیونکہ مؤلف کتاب نے مقدمہ میں اس کی شہادت دی ہے یہ کہتے ہوئے: ﴿**ولم اخرج فیه حدیث رُوِی عن غیرهم..... لکن ما وقع لنا من جهة الثقات من اصحابنا رحمهم الله برحمته ولا اخرجت فیه حدیثا روی عن الشذاذ من الرجال**﴾ یعنی میں نے اس کتاب میں وہ روایات جمع کی ہیں جو ثقہ افراد کے ذریعے روایت کی گئی اور ایسی کوئی روایت نہیں لایا جو شاذ افراد نے روایت کی ہو۔'' علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ تمام روایات کے بارے شہادت ہے یا صرف آپ کے مشائخ کے بارے ہے؟ آقای خوئی قدس سرّہ تمام روایات کے بارے میں یہ شہادت سمجھتے تھے لیکن بعد میں آپ اس رائے سے منحرف ہوگئے تھے اور صحیح دوسرا نظریہ ہے۔ (معجم رجال الحدیث، ج ۱، ص ۵۰)

Presented by Ziaraat.Com

خاتمہ

آخر میں علم درایۃ الحدیث کی بعض اصطلاحات کا ذکر ضروری ہے جن کی کثرت سے ضرورت پیش آتی ہے:

علم الدرایۃ کی تعریف شہید ثانی نے یوں فرمائی ہے:

علم یبحث فیہ عن متن الحدیث و طرقہ من صحیحھا و سقیمھا و علیلھا وما یحتاج من شرائط القبول و الردّ لیعرف المقبول منہ والمردود۔

(الدرایہ، صفحہ ۵)

غالب ابحاث اس علم میں سند سے مربوط ہیں چونکہ حدیث کی اقسام سند ہی کے پیش نظر ہوتی ہیں۔

اس سے مختصر اور بہتر تعریف شیخ بہاء الدین العاملی نے کی ہے:

علم یبحث فیہ عن سند الحدیث و متنہ و کیفیۃ تحمّلہ و آداب نقلہ۔ (الوجیزہ، صفحہ ۱)

شیخ طوسیؒ فرماتے ہیں:

اخبار دو قسم پر ہیں متواتر و غیر متواتر۔ متواتر وہ ہے جو موجب علم ہو جو حدیث ایسی ہو اس پر عمل واجب ہے کسی اور چیز کے اضافے کی توقع کیے بغیر اور غیر متواتر دو قسم پر ہے قسم اول وہ جو موجب علم ہو یہ وہ خبر ہے جو موجب علم قرینہ کے ساتھ مقترن ہو

Presented by Ziaraat.Com

جو حدیث ایسی ہو اس پر بھی عمل واجب ہے اور قرائن مختلف ہو سکتے ہیں جیسے ادلہ عقلیہ و مقتضای عقل کے مطابق ہونا یا ظاہر قرآن کے مطابق ہونا۔ (الاستبصار، جلد ۱، صفحہ ۳)

شیخ حر عاملی نے فرمایا:

قرائن تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) وہ جو ثبوت خبر فی نفسہ پر دلالت کریں، (۲) وہ جو ثبوت مضمون خبر پر دلالت کریں اگرچہ خبر کے موضوع ہونے کا احتمال ہو، (۳) وہ جو ایک خبر کی اس کے معارض پر ترجیح پر دلالت کریں۔ (الفوائد الطوسیۃ)

اقسام الحدیث

شہید اول نے بدایہ میں حدیث کی ابتدائی چار اقسام ذکر کی ہیں: صحیح، حسن، موثق اور ضعیف، اور پھر فرعی اقسام ذکر کیں کہ مجموعاً تیس (۳۰) اقسام بن گئی۔ بعد والوں نے اسی کی پیروی کی۔

۱۔ المتواتر:

وھو ما بلغت رواتہ فی الکثرۃ مبلغاً احالت العادۃ تواء اطؤھم علی الکذب ۔یعنی متواتر وہ حدیث ہے کہ ہر طبقہ میں اس کے رواۃ کی تعداد (اتنی ہو کہ عادۃً ان کا کذب پر اکٹھا محال ہو۔ جیسے حدیث نبویؐ **من کذب علیّ متعمّدا فلیتبوّء مقعدہ من النار** ۔کہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جم غفیر نے نقل کیا ہے، کہا گیا ہے چالیس افراد نے اور پھر یہ ہر طبقہ میں تعداد بڑھتی رہی اور حدیث **انّما الاعمال بالنّیات** متواتر نہیں ہے اگرچہ بعد میں اس کے ناقل بڑھ گئے لیکن ابتدائی طبقہ میں یہ تعداد کم تھی۔

Presented by Ziaraat.Com

۲۔الآحاد:

وہ خبر جو حدّ متواتر کو نہ پہنچے اسے خبر واحد کہتے ہیں پھر خبر واحد یا مستفیض ہے یہ وہ خبر ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں تین ہوں یا دو ہوں محقق داماد فرماتے ہیں: المستفیض و یقال له المشهور والشائع هو ما ذاع و شاع امّا عند اهل الحدیث خاصة دون غیرهم بأن نقله منهم رواة کثیرون۔

۳۔الصحیح:

بدایہ میں شہید نے فرمایا: وهو ما اتصل سنده الی المعصوم بنقل الامامی العدل عن مثله فی جمیع الطبقات۔

۴۔الحسن:

هو ما اتصل سنده کذلك بامامی ممدوح من غیر نصّ علی عدالته مع تحقق ذلك فی جمیع مراتبه اوفی بعضها مع کون الباقی من رجال الصحیح۔

۵۔الموثق:

وهو ما دخل فی طریقه مَنْ نصّ الاصحاب علی توثیقه مع فساد عقیدته ولم یشتمل باقیه علی ضعف و قد یطلق القوی علی ما یروی الامامی غیر الممدوح ولا المذموم۔

۶۔الضعیف:

وهو مالا یجتمع فیه شروط احد الثلاثة بان یشتمل طریقه علی مجروح او مجهول الحال او ما دون ذلك۔

Presented by Ziaraat.Com

۷۔المسند:

وهو ما اتصل سنده مرفوعاً الی المعصومؑ۔

۸۔المتصل:

و سمی ایضاً الموصول وهو ما اتصل اسناده الی المعصوم او غیره و کان کل واحد من رواته قد سمعه ممّن هو فوقه او ما هو فی معنی السماع سواء کان مرفوعاً او موقوفاً (علی غیر المعصوم)۔

۹۔المرفوع:

وهو ما اُضیف الی المعصوم من قول او فعل او تقریر سواء کان اسناده متصلاً ام منقطعاً مثلاً قول محمد بن یعقوب الکلینی علی بن ابراهیم رفعه الی ابی عبداللّٰہؑ قال طلبة العلم ثلاثه فاعرفهم باعیانهم و صفاتهم، صنف یطلبه للجهل والمراء و صنف یطلبه للاستطالة و الختل و صنف یطلبه للفقه و العقل۔

۱۰۔المعلّق:

وهو ما حذف من مبدی اسناده واحد فأکثر ولا یخرج المعلّق عن الصحیح اذا عرف المحذوف من جهة ثقة۔جیسا کہ تعلیق کے حوالے سے بحث سابقاً گزر چکی ہے۔

۱۱۔المدرّج:

وهو ما اُدرج فیه کلام بعض الرواة فیظنّ انه منه او یکون متنان باسنادین فیه فیدرجهما فی احدهما۔

Presented by Ziaraat.Com

۱۲ـ الغريب:

وهو امّا غريب اسناداً و متناً معًا وهو ما تفرّد برواية متنه واحد او غريب اسناداً خاصّة كحديث يعرف متنه عن جماعة اذا انفرد واحد بروايته عن آخر عن غيرهم او غريب متنا خاصّة بأن اشتهر الحديث المفرد فرواه عمّن تفرد به جماعة كثيرة فانه ح يصير غريبا مشهوراً و حديث انّما الاعمال بالنيات من هذا القبيل۔

۱۳ـ الشاذ:

وهو ما رواه الثقة مخالفاً لما رواه الجمهور و ان كان المخالف له احفظ او اضبط او اعدل فشاذ مردود و الاّ فيه۔

۱۴ـ الغريب:

وهو ما اشتمل متنه على لفظ غافض بعيد عن الفهم لقلّة استعماله۔

۱۵ـ المقبول:

المقبول وهو الّذى تلقّوه بالقبول والعمل بمضمونه من غير التفات الى صحته و عدمها كحديث عمر بن حنظله فى حال المتخاصمين۔

۱۶ـ الموقوف:

وهو مطلق ماروى عن مصاحب المعصوم من قول او فعل متصلاً ام منقطعاً۔

Presented by Ziaraat.Com

۱۷۔ المقطوع:

ما جاء عن التابعین ومن فی حکمهم من اقوالهم و افعالهم۔

۱۸۔ المرسل:

وهو ما رواه عن المعصوم من لم یدرکه بغیر واسطة او بواسطه نسیها او ترکها او ابهمها من غیر ذکر الواسطة و یطلق علیه المنقطع والمقطوع باسقاط شخص واحد و المعضل باسقاط اکثر من واحد۔

۱۹۔ المضمر:

وهو الحدیث الذی یشیر الی المروی عنه الاخیر بالضمیر الغائب کقوله سئلته۔

بقیہ اقسام حدیث کی شہرت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعریف کو یہاں ترک کرتے ہیں۔

طرق تحمّل حدیث

سات طرق سے ایک راوی حدیث کو لے کر آگے نقل کرتا ہے:

(۱) السماع۔ (۲) القراۃ۔

(۳) الاجازہ۔ (۴) المناولة۔

(۵) الکتابة۔ (۶) الاعلام۔

(۷) الوجادة۔

۱۔ السماع:

سماع از لفظ شیخ یہ سب سے ارفع طریقہ ہے، راوی اپنے غیر سے کہے گا

Presented by Ziaraat.Com

سمعت فلاناً۔اس کے بعد حدّثنا ہے ثم اخبرنا ہے پھر انبأنا ہے اور نبّانا او قال لنا یاذکرلنا یہ دونوں حدّثنا کے حکم میں ہیں، سب سے کمتر قال فلان ہے جس میں لی یالنا کی تعبیر نہ ہو اور اگر ملاقات ثابت ہو تو اسے سماع پر حمل کیا جائے گا۔اغلب احادیث اہل بیتؑ سماع ہیں لفظ مروی عنہ سے۔

عن علی بن ابراهیم عن ابیه عن ابی عمیر عن منصور بن یونس عن ابی بصیر قال لابی عبداللّٰہؑ قول اللّٰه عزوجل "ثنائه، الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه" قالؑ هو الرجل یسمع الحدیث فیحدّث کما سمعه ولا یزید فیه ولا ینقص منه۔(الکافی، ج۱،صفحہ۵۱)

۲۔القرأة:

القرأة علی الشیخ و تسمّٰی العرض من حفظ او من کتاب ممّا یحفظه الشیخ او یقرئه والاصل بیده او بید ثقة غیره ۔کہتے ہیں: قرأت علی فلان۔یا قرئی علیه و انا السمع فاقرّ الشیخ به۔

۳۔الاجازة:

یہ جواز الماء سے ماخوذ ہے اس سے ہے اسجتزته فاجازنی یہ وہاں کہتے ہیں جب آپ اپنے چوپاؤں یا زمین کے لئے پانی مہیا کریں، طالب حدیث عالم حدیث سے اس کے علم کا جواز طلب کرتا ہے اور وہ اسے اس کی اجازت دے دیتا ہے۔ اس کے لئے کہیں گے: اجزته مسموعاتی ۔بعض نے کہا: یہ اذن ہے اجازہ کے لئے کہیں گے اجزته روایة کذا۔

۴۔المناولة:

یہ دونوع پر ہے: (۱) مقرون بالاجازہ، اپنی اصل کسی کو دے تا کہ وہ اس

Presented by Ziaraat.Com

سے اپنا نسخہ تیار کر سکے اور ساتھ کہے: **هذا سماعی من فلان فاروها عنی**۔ اسے عرض المناولہ کہتے ہیں۔

(۲) **مناولہ مجرد از اجازہ**، یعنی اسے کتاب دے اور کہے: **هذا سماعی**۔ اس کی آیا روایت صحیح ہے یا نہیں، اس بارے اختلاف ہے، شہید نے بدایہ میں فرمایا: اصح عدم جواز ہے۔

نجاشی فرماتے ہیں: **اخبرنی ابن شاذان قال حدّثنا احمد بن محمد بن یحیٰی عن سعد عن احمد بن محمد بن عیسٰی قال خرجت الی الکوفة فی طلب الحدیث فلقیت بها الحسن بن علی الوشاء فسئلته ان یخرج لی کتاب العلاء بن رزین و ابان بن عثمان الاحمر فأخرجهما الیّ فقلت له احب ان تجیزهما لی، فقال لی یا رحمك الله ما عجلتك؟ اذهب فاکتبهما واسمع من بعد فقلت لا آمن الحدثان، فقال لو علمت ان هذا الحدیث یکون له هذا الطلب لاستکثرت منه فانی ادرکت فی هذا المسجد تسع مائة شیخ کل یقول حدّثنی جعفر بن محمدؑ**۔

کلینیؒ امام رضاؑ سے روایت کرتے ہیں: **عن احمد بن عمر الحلال قال قلت لابی الحسن الرضا الرجل من اصحابنا یعطینی الکتاب ولا یقول اروه عنی یجوزلی ان ارویه عنه؟ قال فقالؑ اذا علمت انّ الکتاب له فاروه عنه**۔ (الکافی، ج ۱، صفحہ ۵۲)

۵۔ الکتابة:

شیخ اپنی مرویات اپنے خط سے کسی کو لکھ کر دے یا کسی ثقہ سے کہے کہ وہ لکھ

Presented by Ziaraat.Com

دے، معرفت خط ضروری ہے تا کہ جعل سازی کا احتمال نہ رہے بعض نے بینہ علی الخط بھی شرط کیا ہے تا کہ مشابہت کا احتمال نہ رہے والاصح الاوّل۔

۶۔ الاعلام:

شیخ طالب کو اعلام کرے کہ یہ کتاب اس کی روایت ہے یا سماع صرف یہ کہنے سے آیا اس کے لئے اس کی روایت صحیح ہے یا نہیں! لاقوی عدم الجواز۔

۷۔ الوجادة:

وھو ان یجد انسان مروّی انسان بخطّه ۔اب کہے گا: **وجدت او قرأت بخط فلان** ۔اگر واجد خطّ کے بارے مطمئن نہ ہو تو کہے گا: **بلغنی یا وجدت فی کتاب اخبرنی فلان انّه بخط فلان** ۔اگر مطمئن ہو کہ یہ نسخہ خود مصنف کا ہے تو کہے گا **قال فلان و انه بلغنی** کہے گا۔

Presented by Ziaraat.Com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب : بیان الکلیات فی علم الرجال
مؤلف : سید علی محمد نقوی
ناشر : مدرسۃ الولایۃ (جامعۃ الحجۃ) اسلام آباد
کمپوزنگ : غلام حیدر، میکسیما کمپوزنگ سینٹر 03465927378
تعداد : ۱۰۰۰
طبع : اول
قیمت :
ملنے کا پتہ :

Presented by Ziaraat.Com

1501

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیانُ الکُلّیات
فی
عِلمِ الرَّجَال

تالیف:
سید علی محمد نقوی

مدرسۃ الولایۃ (جامعۃ الحجۃ) بھارہ کہو، اسلام آباد

Presented by Ziaraat.Com